ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

تراویح میں بسم اللہ سے متعلق راجح قول کو بیان کرنا

وصّاف الرجیح فی بسملۃ التراویح

۱۳۱۲ھ

تصنیف لطیف :۔

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

۱۳۱۲ھ

وصّاف الرجیح فی بسملۃ التراویح

(تراویح میں بسم اللہ سے متعلق راجح قول کا بیان)

(ختمِ تراویح میں ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنے کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ از اوجین ، مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی ملّا محمد یعقوب علی خاں صاحب

۲۶ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں تمام بلادِ ہندوستان میں کہ سب اہلِ سنت وجماعت بفضلہٖ تعالٰی حنفی المذہب ہیں ہمیشہ سے یہی رواج دیکھا سُنا کہ تمام حفاظِ قرآن تراویح میں بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں کسی نہ کسی سُورت پر بس ایک بار آواز سے پڑھ لیتے ہیں اور بعض لوگ پیدا ہُوئے کہ اس میں بہت جھگڑا اٹھاتے ہیں زید کہ اس کا رسالہ مرسلِ خدمت والا ہے باتباع دو مولویوں گنگوہی و پانی پتی کے دعوٰی کرتا ہے کہ تراویح میں بسم اللہ بالجہر ہر سورت کے سرے پر ماسوا سُورہ برأت کے ازبس لازم ہے ورنہ ایک "۱۱۳" سو تیرہ، اور کبھی کہتا ہے ایک "۱۱۴" سو چودہ آیت کا نقصان لازم آئے گا بسم اللہ کا جزویت اور غیر جزویت ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آج تک تواتراً منقول ہے حنفیہ کے نزدیک بھی علی سبیل القطع والتواتر سے متفق علیہ، بلکہ اجماع امت متفق ہیں عمرو نے اس جہر سے انکار کیا، اس پر زید نے اُسے کہا بتسویلِ نفسانی منہمک سیآت کے ہوا اور تخریبِ دینِ محمدی میں کمر باندھ کر اصول و قواعدِ حنفیہ سے برطرف ہوا، اس رسالہ میں ایک عبارت اور دو فتوے مولوین مذکورین سے نقل کئے صفحہ ۵ پر لکھا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی تبیین الفساد ترجمہ تحفہ نذریہ میں فرماتے ہیں جان لو کہ جب اہلِ قرأت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے یا نہیں، پس تمام قرآن کو تراویح میں پڑھنے

والے پڑھ جو اُن قاریوں کی قراءت پڑھے جو بسم اللہ کو ہر سورت کا جزو جانتے ہیں، واجب ہے کہ بسم اللہ کو ہر سورت کے سرے پر پکار کر پڑھے ورنہ ختم قرآن مجید میں سے اس کو ایک سو چودہ۱۱۴ آیتوں کا کم کرنا اور ترک کردینا لازم آتا ہے اور جائز نہیں ہے۔ اُن شہروں میں جہاں کے اکثر باشندے حنفی مذہب رکھتے ہیں اس کے خلاف دستور ہے، پس معلوم نہیں اس ترک وغفلت کا کیا سبب ہے فقط۔ صفحہ ۷ پر لکھا "استفتائے مولوی رشید احمد گنگوہی: بسم اللہ کا جہر سے پڑھنا تراویح میں مضائقہ نہیں اور نماز میں اس سے کوئی قباحت نہیں ہوتی، یہ بھی قراء کا مذہب ہے اگر حضرت حفص کی اقتدا کرو درست ومقبول ہے اور جو حسب مذہب حنفیہ نہ پڑھے تاہم کوئی عیب نہیں، سب حق پر ہیں سب کے مذاہب صحیح و درست ہیں لیکن حفاظِ قرآن مجید کو لازم ہے کہ پڑھا کریں ورنہ بموجب فرمان مولوی عبدالرحمان صاحب کے عند الحفص ختم میں نقصان رہے گا فقط واللہ اعلم کتبہ رشید احمد گنگوہی"۔ صفحہ ۸ پر لکھا "استفتاء قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی، زمانہ قراء سبعہ کا زمانہ اجتہاد وعمل بالسنہ کا تھا، زمانہ تابعین کا تھا اور مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ منقولہ میں، اور مدار قراء کا فقط روایت وصحت پر ہے اور قراء سب اپنی اپنی قراءت کی روایت صحیح رکھتے ہیں اس میں دخل مذہب کو نہیں ہے لہذا قراءت میں کسی اہل ہوا کا خلاف نہیں ہے۔ ائمہ مذہب تا زمانہ قراء محتاج الیہ ومحصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے، ائمہ قراءت کو پوچھنا کیا مذہب رکھتے تھے، حق ہے بعد صحت روایت کے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پھر حاجت کسی مذہب اور کسی اجتہاد کی نہیں ہے اذا صح الحدیث فہو مذہبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ ت) قول احناف کا ہے جب مدار صحت روایت پر مذاہب اربعہ میں ہُوا پھر جو کوئی کسی مذہب کا کسی قاری کی قراءت پڑھے گا اس کی قراءت میں جو ہو اس کی اتباع کرے، جو کہ امام عاصم کی قراءت میں بروایت حفص بسم اللہ درمیان ہر دو سورت کے ثابت ہے روایۃً، اور کہیں حنفیہ کی کتب میں ممانعت قراءت عاصم وحفص کی استیعاباً واقع نہیں ہے تو تراویح میں بسم اللہ پڑھنا جائز ہوا والا پورا ختم روایت حفص میں نہ ہُوا فقط واللہ اعلم بالصواب، العبد عبدالرحمان عفی عنہ"۔ صفحہ ۲۱ پر لکھا "صلوٰۃ مفروضہ میں ختم مقصود نہیں اس لئے وہاں جہر لازم نہیں وہاں اتباع ابوحنیفہ کا چاہئے اور تراویح میں مقصود ختم کامل قرآن ہے وہاں اتباع قرائے مسلمین بسم اللہ کو جہراً پڑھنا ساتھ تاکد کے جائز ہے ورنہ ختم میں نقصان لازم آتا ہے چنانچہ یہی تحریر خاکسار نے بارہا قاری عبدالرحمان صاحب کی زبانی بھی سنی ہے"۔ اب علماء سے عرض ہے کہ یہ بیانات وفتاوی صحیح ہیں یا غلط، اور یہاں مذہب حنفی میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ سرا وجہارا ولیلا ونہارا حمدا   سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں آہستہ اور بلند، دن او

كبارا دامة واكثارا والصلوات السامية والتحيات النامية على من سن فى الصلوٰة اسرار التسمية وعلى اٰله وصحبه النفوس الحامية لبيضة السنة من الغوغاء العامية اٰمين اٰمين يا ارحم الراحمين ۔

رات کو، بڑی حمدیں اور زیادہ، بلند درود اور اونچا سلام اس ذات پر جس نے نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا سنّت فرمایا اور آپ کی آل و اصحاب پر جو کہ خالص سنّت کو عوام کے شورش سے محفوظ رکھنے والے ہیں آمین آمین یا ارحم الراحمین ۔ (ت)

بسم اللہ شریف کا تراویح میں ہر سُورت پر جہر مذہب حنفی میں لازم و واجب ہونا محض بے اصل و باطل صریح اور حنفیۂ کرام پر افترائے قبیح ہے تحصیل سنّت ختم فی التراویح کے لئے صرف ایک بار کسی سورت پر جہر کرنے کی ہماری کتب میں صاف تصریح ہے زید بے علم اور اس کے دونوں متبوعوں کی تحریر سراسر بے تحریر و غیر صحیح ہے، مسلم الثبوت میں ہے:

البسملة من القراٰن اٰية فتقرأ فى الختم مرة ۔[1]

یعنی بسم اللہ شریف قرآن عظیم کی ایک آیت ہے تو ختم میں ایک بار پڑھی جائے۔

ملک العلماء بحر العلوم اس کی شرح فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

على هذا ينبغى ان يقرأها فى التراويح بالجهر مرة ولا تتأدى سنة الختم دونها ۔[2]

یعنی اس بنا پر چاہئے کہ بسم اللہ شریف تراویح میں جہر سے ایک بار پڑھی جائے بے اس کے سنت ختم ادا نہ ہوگی۔

شرح مولانا ولی اللہ میں ہے:

من قال بكون البسملة جزء من القراٰن من غير تعيين المحل او بجزئيتها له فى اول كل سورة قال بوجوب قراءتها فيما يختم فيه القراٰن من الصلوٰة كالتراويح الا ان الجماعة الاولى تقول بوجوب قراءتها جهراً مرة والثانية

یعنی جو علماء بسم اللہ شریف کو جزوِ قرآن مجید مانتے ہیں خواہ بے تعیین محل (جیسے علمائے حنفیہ وغیرہم) یا یوں کہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے (جیسے علمائے شافعیہ) ان سب کے نزدیک جس نماز میں، قرآن مجید کا ختم کیا جائے جیسے تراویح، اس میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا ضرور ہے مگر ہمارے ائمہ و جمہور علماء کے نزدیک

---

[1] مسلم الثبوت کامل، مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۱۵۱

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۱۴/۲

تقول بوجوب قرأتها جهرا فی اول کل سورة سواء البراءة[1]

صرف ایک بار بآواز اور شافعی مذہب میں سورۃ برأت کے سوا ہر سُورت کی ابتداء پر۔

قمر الاقمار مولانا عبدالحلیم انصاری میں ہے :

اعلم ان التسمية اٰية من القراٰن کله انزلت للفصل بين السور وليست جزء من الفاتحة ولا من کل سورة فالقراٰن عبارة عن مائة واربعة عشر سورة واٰية وهی التسمية فلابد فی ختم القراٰن من قراءة التسمية مرة علی صدر اٰية سورة کانت وهذا کله عندنا علی المختار[2] اھ مختصرا

یعنی بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے کہ سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی نہ وہ فاتحہ کی جُز ہے نہ ہر سورت کی، تو قرآن عظیم نام ہے ایک سَو چودہ سُورتوں اور ایک آیت کا کہ وہ بسم اللہ شریف ہے پس ختم قرآن میں بسم اللہ شریف کا کسی سُورت کے سرے پر ایک بار پڑھنا ضرور ہے یہ سب ہمارے ائمہ کا مذہب مختار ہے اھ مختصراً

جوابِ مسئلہ تو اسی قدر سے ہوگیا مگر فقیر غفر اللہ تعالیٰ بعون رب قدیر جل جلالہٗ تحقیق حق نجیح و تخلیص قول رجیح کے لئے چند افاداتِ عالیہ لکھے جن سے بتوفیقہٖ تعالیٰ احکامِ مسئلہ کو نورِ انکشاف اور اوہام باطلہ کو ظہورِ انکساف ملے واللہ المعین وبه نستعين (اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور اسی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ ت)

افادۂ اُولیٰ : بسم اللہ شریف کے باب میں ہمارے ائمہ کرام بلکہ جمہور ائمہ صحابہ و تابعین وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہبِ حق و محقق یہ ہے کہ وُہ کسی سورتِ قرآن کی جُز نہیں جداگانہ آیت واحدہ ہے کہ تبرک و فصل بین السور کے لئے مکرر نازل ہُوئی۔ امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری علیہ رحمۃ الباری کہ اجلّہ ائمہ حنفیہ ہیں کتاب التحقیق شرح حسامی میں فرماتے ہیں :

الصحيح من المذهب انها من القراٰن لکنها ليست جزء من کل سورة عندنا بل هی اٰية منزلة للفصل بين السور کذا ذکر ابوبکر الرازی ومثله روی عن محمد رحمه الله تعالٰی۔[3]

صحیح مذہب ہمارا یہ ہے کہ وُہ قرآن کی جُزو ہے مگر ہر سُورت کی جُز نہیں بلکہ یہ ایسی آیۃ ہے جو سُورتوں میں فاصلہ کے لئے نازل کی گئی ہے، یوں ابوبکر رازی نے ذکر کیا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔ (ت)

---

[1] شرح مسلم الثبوت ولی اللہ

[2] قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع علیمی دہلی ص ۹

[3] کتاب التحقیق شرح حسامی " " منشی نولکشور لکھنؤ ص ۶

امام محقق ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں :

المشهور عن اصحابنا انها ليست بأية من الفاتحة ولا من غيرها بل هي اٰية من القراٰن مستقلة نزلت للفصل بين السور۔[1]

ہمارے اصحاب سے یہی مشہور ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سُورۃ کی جُز نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی مستقل آیۃ ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے (ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں :

ان مذهبنا ومذهب الجمهور ليست اٰية من الفاتحة ولا من كل سورة۔[2]

ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے (ت)

امام ابوالبرکات نسفی کنز الدقائق اور علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر اور علامہ محمد بن عبد اللہ غزی تمرتاشی تنویر الابصار میں فرماتے ہیں :

هي اٰية من القراٰن انزلت للفصل بين السور وليست من الفاتحة ولا من كل سورة۔[3]

یہ قرآن کی آیۃ ہے جو سُورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے فاتحہ یا کسی اور سُورۃ کی جُز نہیں ہے (ت)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں :

قال اصحابنا البسملة اٰية من القراٰن انزلت للفصل بين السور ليست من الفاتحة ولا من اول كل سورة۔[4]

ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو سُورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے نہ تو یہ فاتحہ کی جُز ہے اور نہ ہی کسی سورۃ کا یہ اول ہے (ت)

اسی طرح بہت کُتب میں ہے۔

افادہ ثانیہ : مجرد تکرر نزول ہرگز موجب تعدد نہیں ورنہ قائلان تکرار نزول فاتحہ قرآن عظیم میں دو سورۃ فاتحہ مانتے کہ اُن کے نزدیک فاتحہ مکہ معظمہ میں نازل ہو کر مدینہ طیبہ میں دوبارہ اُتری۔ علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بیان صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۶

[3] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر باب صفۃ الصلوٰۃ " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۵

درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ " مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۵

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری خطبۃ الکتاب " ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱/۱۲

میں فرماتے ہیں :

تعددنزولہا لایقتضی تعدد قرأنیتہا کیف و قد قیل بتکرار نزول الفاتحۃ ولم یقل احد بتعدد قرأنیتہا[1]۔

بسم اللہ کے نزول کا تعدد اس بات کو لازم نہیں کہ وُہ متعدد بار قرآن کا جُز بنے، یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ سورۂ فاتحہ کے نزول میں تعدد کا قول ہے لیکن فاتحہ کا قرآن کے متعدد جُز ہونے کا قول کسی نے نہیں کیا (ت)

علامہ ملّا خسرو کے حاشیۂ تلویح میں ہے :

القول بتکررہ لایقتضی القول بتعددھا کیف وقد قیل الٰی اٰخر مامر[2]۔

بسم اللہ کے تکرارِ نزول کا قول اس کے متعدد ہونے کو لازم نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ سُورۂ فاتحہ کے بارے، الیٰ آخرہ۔ (ت)

ولہذا علامہ بحر نے بحرالرائق میں فرمایا :

انہا فی القراٰن اٰیۃ واحدۃ یفتتح بہا کل سورۃ وعند الشافعی اٰیات فی السور[3]۔

یہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے اس سے ہر سُورۃ کا افتتاح کیا جاتا ہے، اور امام شافعی کے نزدیک یہ ہر سورۃ کی علیحدہ آیت ہے۔ (ت)

اسی طرح قمرالاقمار سے بھی گزرا کہ وُہ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک تمام قرآن میں صرف ایک آیت ہے نہ یہ کہ ایک "سَو تیرہ یا چودہ" آیتیں ہوں اور جب آیت واحدہ ہے تراویح میں اس کی صرف ایک بار تلاوت ادائے سنت ختم کے لئے آپ ہی کافی کما لایخفی علی کل عاقل (یہ کسی عاقل سے مخفی نہیں چہ جائیکہ فاضل سے مخفی ہو۔ ت) کون جاہل کہے گا کہ ایک آیت کو جب تک سَو بار نہ پڑھو ختم پورا نہ ہو۔

افادۂ ثالثہ بسم اللہ شریف کا جزءِ سورت ہونا ہرگز ہرگز حضورِ پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر ہونا درکنار ثابت کرنا دشوار اس کے تواتر کا ادعا محض بہتان وافترا بلکہ احادیث صحیحہ اس کلیہ کے نقض پر صاف گواہ،

کحدیث قسمۃ الصلوٰۃ و حدیث ثلثین اٰیۃ

جیسا کہ تقسیم نماز والی حدیث، اور وُہ حدیث جس سورۃ

---

[1] تتمہ حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح حاشیہ۵ ۲ متعلق ص ۵۰ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۵

[2] حاشیہ تلویح لملا خسرو " " " ص ۳۱

[3] بحرالرائق باب صفۃ الصلوٰۃ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۱۲/۱

للملك وغيرها كما فصله العلماء الكرام في تصانيفهم ولا حاجة الى ايرادها هنا فان شهرة الكلام فيه اغنتنا عن اعادته و اطالة المقال بتذكاره۔

ملک کی تیس آیتوں کا ذکر اور ان جیسی اور احادیث جن کو علماء کرام نے مفصل طور پر اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، یہاں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس بات کی شہرت نے ہمیں یہاں ذکر کرنے سے مستغنی کر دیا ہے نیز ان کے ذکر سے بات لمبی ہوگی۔ (ت)

افادۂ رابعہ: یونہی اُس پر اجماعِ اُمت کا بیان افترا و بہتان، بلکہ علماء فرماتے ہیں صحابہ کرام و تابعین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع تھا کہ بسم اللہ شریف جزءِ سور نہیں، قول جزئیت اُن کے بعد حادث و نو پیدا ہوا، سیدی فقیہ مقری علی نوری سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں:

هذا ان قلنا ان البسملة ليست بأية ولا بعض اية من اول الفاتحة ولا من غيرها وانما كتبت في المصاحف للتيمن والتبرك او انها في اول الفاتحة لابتداء الكتاب على عادة الله جل وعز في ابتداء كتبه وفي غير الفاتحة للفصل بين السور قال ابن عباس رضي الله تعالٰى عنهما كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لا يعرف فصل السورة حتى ينزل عليه بسم الله الرحمٰن الرحيم وهو مذهب مالك وابي حنيفة والثوري وحكي عن احمد وغيره وانتصر له مكي في كشفه وقال انه الذي اجمع عليه الصحابة والتابعون والقول بغيره محدث بعد اجماعهم وشنع القاضي ابو بكر بن الطيب بن الباقلاني المالكي البصري نزيل بغداد على من خالفه

یہ تب ہے جب ہم یہ کہیں کہ بسم اللہ آیت نہیں اور فاتحہ اور کسی سورۃ کی جزء نہیں اور یہ صرف قرآن میں برکت کے طور پر لکھی گئی ہے یا اس لئے کہ اللہ تعالٰی کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنی تمام کتابوں میں بسم اللہ سے ابتداء فرمائی لہذا سورۃ فاتحہ کے ابتداء میں بھی ذکر فرمائی اور باقی سورتوں کے ابتداء میں صرف سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دو سورتوں کا فصل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نازل ہونے پر معلوم کرتے تھے، یہی امام مالک، ابوحنیفہ، ثوری کا مذہب ہے، اور امام احمد وغیرہ سے یہی بیان کیا گیا ہے، اور امام مکی نے اسی کو اپنی کتاب کشف میں اپنایا ہے اور فرمایا کہ یہی وہ ہے جس پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہے، بسم اللہ کے بارے میں کوئی اور بات اس اجماع کے بعد نئی چیز ہوگی، اور قاضی ابوبکر بن طیب بن باقلانی مالکی بصری نیز بغدادی نے اس کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور یہ

وکان اعرف الناس بالمناظرۃ واد قهم فیها نظرا[1]

قاضی ابوبکر خود بحث کے ماہر اس میں دقتِ نظر رکھتے ہیں۔ (ت)

امام زیلعی تبیین الحقائق پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں:

قال بعض اهل العلم من جعلها من کل سورۃ فی غیر الفاتحة فقد خرق الاجماع لانهم لم یختلفوا فی غیر الفاتحة۔[2]

بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ کو فاتحہ کے علاوہ کسی سُورت کا جُز مانتا ہے وہ اجماع کا خلاف کرتا ہے کیونکہ فاتحہ کے بغیر کسی سورۃ کے بارے میں اختلاف نہیں ہے۔ (ت)

امام بدرالدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

فان قیل نحن نقول انها اٰیة من غیر الفاتحة فکذلك انها اٰیة من الفاتحة قلت هذا قول لم یقل به احد ولهذا قالوا ان عم الشافعی انها اٰیة من کل سورۃ وما سبقه الی هذا القول احد لان الخلاف بین السلف انما هو فی انها من الفاتحة او لیست باٰیة منها ولم یعدها احد اٰیة من سائر السور[3]

اگر اعتراض کیا جائے کہ ہم بسم اللہ کو آیت مانتے ہیں تو اس کا معنیٰ یہ ہُوا کہ فاتحہ کی آیت ہے اور کسی اور سورۃ کی بھی آیت ہے، میں کہتا ہُوں کہ یہ کسی کا قول نہیں ہے اسی لئے جمہور نے کہا کہ صرف امام شافعی کا خیال ہے کہ یہ ہر سورۃ کی آیت ہے جبکہ امام شافعی سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کی، کیونکہ اس سے پہلے اسلاف میں صرف یہ تھا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں، اور اس کو کسی نے باقی سورتوں کا جُز نہیں مانا۔ (ت)

افادۂ خامسہ: تمام مصاحف حنفیہ میں ہر بسم اللہ شریف پر نشانِ آیت موجود ہے وہ بلاشبہ اُن کے نزدیک آیت تامہ ہے، اب سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ ناس تک تمام سور میں آیاتِ حنفیہ کی گنتی بتائیے، دیکھئے تو کہیں بھی بسم اللہ شریف گنتی میں آتی ہے، مثلاً سُورۂ اخلاص چار آیت ہے بسم اللہ سے الگ ہی چار آیتیں ہیں، سُورۂ کوثر میں تین آیتیں ہیں بسم اللہ سے جُدا ہی تین آیتیں ہیں وعلی ھذا القیاس بخلاف سورۂ فاتحہ کہ سات آیتیں ہیں اور ان کے نزدیک انعمت علیھم پر آیت نہیں ولھذا ہمارے مصاحف

---

[1] غیث النفع فی القراءات السبع　باب البسملۃ　مطبوعہ مصطفی البابی مصر　ص ۵۷

[2] فتح المعین علی شرح الکنز　فصل واذا اراد الدخول الخ　" ایچ ایم سعید کمپنی کراچی　۱/۱۸۷

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری　باب مایقول بعد التکبیر　مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۹۲

میں اُس پر نشانِ آیت عند الغیرہ لکھتے ہیں نہ ○ یہ صاف دلیل واضح ہے کہ ہمارے قراء کے نزدیک بسم اللہ بقرہ سے ناس تک کسی سورت کی جز نہیں بلکہ ایک انھیں قاریوں کی کیا تخصیص سب کے نزدیک سوا فاتحہ کے کہ مختلف فیہا ہے باقی تمام سُورتوں کے شمار آیات سے بسم اللہ شریف خارج ہے یہ بھی اُس ارشاد علما کا پتا دیتا ہے کہ قولِ جزئیت حادث وخلاف اجماع ہے۔ امام زیلعی تبیین پھر علامہ ازہری فتح المعین میں فرماتے ہیں:

ان کتاب المصاحف کلھم عدوا اٰیات السور فاخرجوھا من کل سورۃ وقال بعض اھل العلم[1] الی اٰخر ما مر۔

قرآن پاک کے تمام کاتبوں نے سُورتوں کی آیات کو شمار کیا ہے اور انھوں نے بسم اللہ کو کسی سورت کی آیات میں شمار نہیں کیا اور بعض علماء نے گزشتہ قول کو انھوں نے آخر تک بیان کیا۔ (ت)

عمدہ میں امام عینی کا ارشاد گزرا: لم یعدھا احد اٰیۃ من سائر السوَر[2] (اس کو کسی نے باقی سورتوں کی آیۃ نہیں مانا۔ ت)

تنبیہ: شمار سے اخراج تو عدمِ جزئیت میں صریح ظاہر ہے اور ادخال میں علمائے کرام نے جائز فرمایا کہ صرف ظن کی طرف مستند ہو تو مفید قطعیت جزئیت نہ ہوسکے گا، امام زیلعی نصب الرایہ اور امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں:

لعل ابا ھریرۃ مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقرأھا فظنھا من الفاتحۃ، فقال انھا احدی اٰیاتھا ونحن لا ننکر انھا من القراٰن، ولکن النزاع وقع فی مسئلتین احدٰھما انھا اٰیۃ من الفاتحۃ، والثانیۃ ان لھا حکم سائر اٰیات الفاتحۃ جھرا وسرا، ونحن نقول، انھا اٰیۃ مستقلۃ قبل السورۃ، ولیست منھا جمعا بین الادلۃ، وابو ھریرۃ لم یخبر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال، ھی احدی اٰیاتھا،

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پڑھتے ہوئے سنا تو خیال فرمایا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی جُز ہے تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ فاتحہ کی آیات میں شامل ہے، بسم اللہ کا قرآن کی آیت ہونے سے ہمارا انکار نہیں ہے صرف بحث دو مسئلوں میں ہے ایک یہ کہ کیا یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور دوسرا یہ کہ کیا بسم اللہ کا حکم فاتحہ کی دوسری آیات والا ہے کہ جہر و سر میں ان کی طرح پڑھی جائے گی یا نہیں، جبکہ ہم یہ کہتے ہیں یہ ایک مستقل آیت ہے یہ سورہ فاتحہ کی آیات میں شمار نہیں، یہ بات دلائل کو مطابق بنانے کے لئے ہے، حالانکہ

---

[1] فتح المعین علی شرح الکنز فصل واذا اراد الدخول مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۷

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۹۲

وقراءتها قبل الفاتحة لایدل علی ذلك واذا جاز ان یکون مستند ابی ھریرۃ قراءۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لھا، وقد ظھر ان ذلك لیس بدلیل علی محل النزاع، فلا یعارض بہ ادلتنا الصحیحۃ الثابتۃ اھ[1]

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ خبر نہیں دی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورۃ فاتحہ ایک آیۃ ہے جبکہ محض سورۃ فاتحہ سے پہلے پڑھنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اور جب صرف حضور کا پڑھنا ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہو تو یہ محل نزاع یعنی فاتحہ کا جز ہونے پر دلیل نہیں ہوسکتی، لہذا یہ روایت ہمارے صحیح ثابت شدہ دلائل کے مقابل نہیں ہوسکتی اھ (ت)

افادۂ سادسہ: جزئیت بسم اللہ شریف کو قطعی کہنا محض جہالت اور تصریحات ائمہ کرام علمائے اعلام سے غفلت ہے بلکہ جزئیت سورت درکنار جزئیت قرآن بھی خبراً متواتر نہیں،

ولذا انکرھا الامام الاوزاعی والامام مالك وبعض مشایخنا ونسب للمتقدمین بل وقع فی التلویح وحواشی الکشاف وغیرھما انہ المشھور من مذھب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2] قال القھستانی ان ھذا لم یوجد[3] قال الشامی فی ردالمحتار ای بل ھو قول ضعیف عندنا[4]۔

بسم اللہ کے قرآن کا جز ہونے کا امام اوزاعی، امام مالک اور ہمارے بعض مشائخ نے انکار کیا ہے۔ متقدمین کی طرف منسوب بلکہ تلویح میں اور کشاف کے حواشی وغیرہ میں ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب ہے۔ امام قہستانی نے فرمایا اس قول کا وجود نہیں ہے۔ علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے۔ (ت)

علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح میں فرماتے ہیں:

قال الجد المحقق فی تفسیر الفاتحۃ قال ابوحنیفۃ ومالك رحمھما اللہ تعالٰی المعتبر التواتر فی قرانیتھا لا فی نقلہ فقط وھو الحق

بزرگ محقق نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے فرمایا ہے بسم اللہ کے قرآن ہونے کیلئے صرف نقل متواتر نہیں بلکہ اس کا قرآن ہونا متواتر چاہئے اور یہی معتبر اور حق ہے

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری احادیث البسملۃ فی الصلوۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۸۶
نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب الصلوۃ ؍؍ المکتبۃ الاسلامیۃ ریاض الشیخ ۱/۳۴۳

[2] التوضیح والتلویح مع حاشیہ چلپی بیان ادلۃ اربعہ ؍؍ منشی نولکشور کانپور ص ۵۰

[3] جامع الرموز فصل صفۃ الصلوۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۵۱

[4] ردالمحتار مطلب قرآۃ البسملۃ بین الفاتحۃ والسورۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۹۱

اذ من الظاهر ان النقل اذا لم یکن علی انه قرأن لا یفید القرأنیة والتواتر فی نقل البسملۃ لیس علی انه قرأن والا لم یخالف فیه بل کتب فی المصاحف للفصل والتبرك بها الخ[1]

کیونکہ ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن ہونا منقول نہ ہو تو پھر بسم اللہ کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہوگا، اور بسم اللہ کے نقل میں جو تواتر ہے وہ اس کے قرآن ہونے کا تواتر نہیں ورنہ اس میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ بسم اللہ کو قرآن میں سورتوں کے فصل اور تبرک کے لئے لکھا گیا ہے الخ (ت)

ہمارے ائمہ کرام اثبات فرماتے ہیں بوجہ اثبات فی المصاحف و امر بالتجرید دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں نہ تواتر سمعی، بالجملہ حق یہ کہ بسم اللہ شریف کا جزءِ قرآن عظیم ہونا تو ہمارے نزدیک دلیل قطعی سے ثابت ہے مگر جزءِ سور ہونا ہرگز نقلاً عقلاً کسی طرح قطعی نہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام اسے دلیل قطعی سے باطل اور بعض اخبار احاد کو، کہ موہم جزئیت واقع ہوئے مخالف قاطع کے سبب نامقبول و مضمحل بتاتے ہیں نہایت یہ کہ علمائے شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی کہ قائلین جزئیت ہیں خود منکرِ قطعیت ہیں، امام نووی شافعی فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے۔ امام عبدالعزیز بن احمد بخاری تحقیق میں فرماتے ہیں:

النقل المتواتر لما لم یثبت انها من السورة لم یثبت ذلك[2]

جب نقل متواتر بسم اللہ کو سورت کا جُز ہونا ثابت نہیں کرتا تو اس کا جُز ہونا ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

علامہ بہاری مسلم الثبوت اور علامہ بحر فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

(لم یتواتر انها جزء منها) فلا تثبت الجزئیة اذ قد سبق ان تواتر الجزئیة شرط لاثباتها[3]

اس کا جز ہونا تواتر سے ثابت نہیں، لہذا جزئیت ثابت نہ ہوگی کیونکہ پہلے معلوم ہوچکا ہے جزئیت کے اثبات کے لئے جزئیت کا تواتر شرط ہے۔ (ت)

اُنھیں میں ہے:

(عارضه القاطع) وهو عدم تواتر الجزئیة الدال علی عدمها فی الواقع فیضمحل المظنون

بسم اللہ کے جُز ہونے کو ایک قطعی دلیل معارض ہے اور وُہ جزئیت کے تواتر کا نہ ہونا جو کہ فی الواقع جُز نہ ہونے

---

[1] تتمۃ حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح بیان ادلۂ اربعہ حاشیہ ۲۶ متعلق ص ۵۰ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۵

[2] کتاب التحقیق شرح الحسامی مقدمۃ الکتاب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۶

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریۃ بولاق مصر ۲/ ۱۴

وھذا ھو الجواب عن الاخبار الاحاد التی توھم الجزئیۃ بل یجب ان تکون ھذہ الاخبار مقطوع السھو والالتواترات الخ[1]

کی دلیل ہے پس ظنی امر کمزور قرار پائے گا، یہ جزئیت کا وہم پیدا کرنے والی اخبارِ احاد کا جواب ہے لہذا ان اخبار کا سہو قطعی ہے ورنہ اگر بسم اللہ سورۃ کا جز ہوتی تو تواتر سے ثابت ہوتی۔ (ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

لایثبت کونھا اٰیۃ من کل سورۃ من السور بلا دلیل قطعی کما فی سائر الاٰیات واجماع الصحابۃ علی اثباتھا فی المصحف لایلزم منہ انھا اٰیۃ من کل سورۃ بل اللازم منہ مع الامر بالتجرید عن غیر القراٰن انھا من القراٰن وبہ نقول انھا اٰیۃ منہ نزلت للفصل بین السور[2]۔

قطعی دلیل کے بغیر اس کا تمام سورتوں میں سے کسی کا جز ہونا اور آیت ہونا ثابت نہیں ہوسکتا، جس طرح باقی آیات کے بارے میں ہے، اور صحابہ کرام کا اس کو مصحف میں لکھنے پر اجماع ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ کسی سورۃ کی آیت ہے بلکہ قرآن کو غیر سے مبرا رکھنے کے حکم سے اتنا لازم آتا ہے کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو کہ فصل کے لئے نازل کی گئی ہے۔ (ت)

علامہ بحرالفقہ زین بن نجیم مصری شرح منار پھر علامہ سید محمد آفندی شامی منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں فرماتے ہیں:

ھی قراٰن لتواتر فی محلھا ولا کفر لعدم تواتر کونھا فی الاوائل قراٰنا[3]۔

بسم اللہ قرآن ہے کیونکہ تواتر سے قرآن میں شامل چلی آرہی ہے لیکن سورتوں کی ابتدائی آیت ہونے کے انکار سے کفر لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت نہیں۔

علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں:

ثبوت قراٰنیتھا لا علی سبیل التواتر ولھذا علل فی النھر عدم تکفیر جاحدھا بعدم

بسم اللہ کے قرآن ہونے پر تواتر نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی اس بات کا انکار کرے تو کفر

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریۃ بولاق مصر ۲/ ۱۵

[2] غنیۃ المستملی صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۷

[3] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحرالرائق فصل واذا اراد الدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۱۲

تواترکونہا قراٰنا۔[1]

نہ ہوگا نہ ہونے میں عدمِ تکفیر کی یہی علت بیان کی گئی ہے (ت)

علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں:

لانہا وان تواتر کتابتہا فی المصاحف لم یتواتر کونہا قراٰنا۔[2]

مصحف میں اس کو لکھنے کے تواتر سے اس کے قرآن ہونے کا تواتر ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

علامہ شہاب خفاجی عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی میں فرماتے ہیں:

ولم یتواتر تسمیتہا قراٰنا واٰیۃ بالنقل عنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اذ لو تواتر لکفر جاحدہا وھو لایکفر بالاتفاق۔[3]

بسم اللہ کا نام قرآن یا سورۃ کی آیۃ، تواتر سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے منقول نہیں اور اگر یہ بات تواتر سے ثابت ہوتی تو اس کا انکار کفر ہوتا حالانکہ باتفاق یہ کفر نہیں ہے۔ (ت)

اُسی سے امام قرطبی رحمہ اللہ سے ہے:

المسألۃ اجتہادیۃ ظنیۃ لاقطعیۃ کما ظنہ بعض الجہلۃ من المتفقہۃ۔[4]

یہ مسئلہ ظنی اور اجتہادی ہے، قطعی نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے۔ (ت)

اُسی میں تفسیر امام سمین مسمی بالوجیز سے ہے:

المطلوب ھنا الظن لا القطع۔[5]

اس مسئلہ میں ظن مطلوب ہے یقین مطلوب نہیں (ت)

اُسی میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی شافعی سے ہے:

انہ اقام الدلیل علی الاکتفاء بالظن فیما نحن۔[6]

ہماری بحث میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ (ت)

امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

---

[1] فتح اللہ المعین علی شرح الکنز فصل واذا اراد الدخول فی الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۸۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی بیان سنن الصلٰوۃ 〃 نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۴۱

[3] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ 〃 دار صادر بیروت ۱/ ۳۰

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/ ۳۰

[5] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/ ۳۰

[6] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/ ۳۰

البسملة اٰیة من الفاتحة عملاً وظنا لاقطعاً[1] الخ نقله عنه القاری فی المرقات۔

بسم اللہ کا سورہ فاتحہ کا جُز ہونا ظنی ہے قطعی اور یقینی نہیں ہے الخ اس کو ملّا علی قاری نے مرقات میں ان سے نقل کیا ہے (ت)

علامہ سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں:

ان المحققین من الشافعیة وعزاہ الماوردی للجمھور علی انه اٰیة حکما لا قطعا قال النووی والصحیح انھا قراٰن علی سبیل الحکم ولو کانت قراٰنا علی سبیل القطع لکفرنا فیھا وھو خلاف الاجماع[2]۔

محققین شافعیہ نے اور ماوردی کے بیان کے مطابق ان کے جمہور نے کہا ہے کہ بسم اللہ کا فاتحہ کی جز ہونا حکمی بات ہے قطعی نہیں ہے، اور امام نووی نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ کا قرآن ہونا حکمی ہے اور اگر قطعی ہوتا تو ہم مخالف کو کافر کہتے جبکہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

اُسی میں شرح منہاج النووی تصنیف امام جلال الدین محلی شافعی سے ہے:

البسملة منھا ای من الفاتحة عملا لانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عدھا اٰیة منھا صححه ابن خزیمة والحاکم ویکفی فی ثبوتھا من حیث العمل الظن[3]۔

بسم اللہ سورہ فاتحہ کا حصہ ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو فاتحہ کی آیت شمار کیا ہے جس کی ابن خزیمہ اور حاکم نے تصحیح کی ہے اور اس کے عملی ثبوت کے لئے ظن ہی کافی ہے۔ (ت)

افادۂ سابعہ: **اقول** وباللہ التوفیق قرآن عظیم کے ختم میں لااقل ایک بار بسم اللہ شریف پڑھنے پر تمام قراء کا اجماع قطعی ہے کہ ابتداء تلاوت[عہ] سورت غیر برا‌ءت میں اتیان بسملہ مجمع علیہ ہے پھر ہر دو سورت کے درمیان اثبات وحذف میں قراء مختلف ہیں امام نافع مدنی بروایت قالون اور امام عبداللہ بن کثیر مکی و

[عہ] شروع تلاوت اگر ابتدائے سورت کے علاوہ کہیں وسط سے ہو تو بسم اللہ کی حاجت نہیں بہتر ہے اور اگر ابتدائے سورت سوائے براءت سے تلاوت آغاز کرے تو بسم اللہ بالاجماع پڑھے پھر اثنائے تلاوت میں جو سورتیں آتی جائیں اُن پر بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف ہے ۱۲ (م)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ فصل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۲۹۶

[2] و [3] غیث النفع فی القراءات السبع علٰی حاشیہ سراج القاری باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵۹

وامام عاصم بن بہدلہ کوفی وامام علی بن حمزہ کسائی کوفی پڑھتے اور امام مدنی بروایت ورش اور امام عبداللہ بن عامر شامی وامام حمزہ بن حبیب زیات کوفی وامام ابوعمرو بن العلاء بصری حذف کرتے ہیں تو اگر جلسۂ واحدہ میں کوئی شخص قرآن عظیم بابتدائے واحد ختم کرے تاہم ایک بار بسم اللہ شریف باجماع قراء پڑھے گا اور تکرار میں اختلاف رہے گا۔ غیث النفع میں ہے:

لاخلاف بینھم فی ان القارئ اذا افتتح قراءته باول سورة غیر براءة انه یبسمل سواء کان ابتداءه عن قطع او وقف (الی ان قال)، واختلفوا فی اثباتھا بین السورتین سواء کانتا مرتبتین او غیر مرتبتین فاثبتھا قالون والمکی وعاصم وعلی وحذفھا حمزة ووصل السورتین (الی قوله) وانما اختلفوا فی الوصل ولم یختلفوا فی الابتداء لانھا مرسومة فی المصاحف فمن یترکھا فی الوصل لو لم یأت بھا فی الابتداء لخالف المصاحف وخرق الاجماع[۱] الخ۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ قاری کسی سورۃ کو ابتداء سے شروع کرے تو بسم اللہ پڑھے ماسوا سورۃ برأت کے، خواہ قاری قطع کے بعد ابتداء کرے یا وقف کے بعد، ہر طرح بسم اللہ پڑھے (اس کے بعد یہاں تک فرمایا) اور تلاوت میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنے میں انھوں نے اختلاف کیا ہے خواہ دونوں کو ترتیب سے پڑھے یا غیر ترتیب پر پڑھے، امام قالون، مکی، عاصم اور علی نے بسم اللہ کو ثابت مانا ہے اور امام حمزہ نے حذف کرنا قرار دیا ہے اور دونوں سورتوں میں وصل کا قول کیا ہے (اور پھر اس کو بیان کیا کہ) ان ائمہ نے دونوں سورتوں کے وصل کے بارے میں یہ اختلاف کیا ہے، اور ابتداء کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے میں اختلاف نہیں کیا، کیونکہ بسم اللہ قرآن میں لکھی ہے لہٰذا اگر کوئی دونوں سورتوں میں وصل کرتے وقت بسم اللہ کو ترک کرے اور سورۃ سے ابتداء کرتے وقت بھی ترک کرے تو مصاحف اور اجماع کے خلاف ارتکاب کرے گا الخ (ت)

سراج القاری شرح شاطبیہ میں ہے:

اخبران رجالا بسملوا بین السورتین وھم قالون والکسائی وعاصم وابن کثیر والباقین لایبسملون بین السورتین لان ھذا من قبیل الاثبات والحذف[۲] اھ ملخصا۔

معلوم ہوا ہے کہ کئی لوگوں نے کوئی دو سورتوں میں بسم اللہ پڑھنے کا قول کیا ہے اور وہ قالون، کسائی، عاصم اور ابن کثیر ہیں اور باقی لوگوں نے ان دونوں سورتوں میں بسم اللہ نہ پڑھنے کا قول کیا ہے کیونکہ یہ معاملہ اثبات وحذف والا ہے اھ ملخصاً (ت)

---

[۱] غیث النفع فی القراءات السبع علی حاشیہ سراج القاری باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۲۱

[۲] سراج القاری شرح شاطبیہ لابن القاصح مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴۸

عن اھل العلم والفضل (یہ تمام اہلِ فہم اور اہلِ عقل کے ہاں واضح ہے چہ جائیکہ اہلِ علم وفضل پر واضح نہ ہو۔ ت)
اور یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں مذہب کو دخل نہ ماننا محض جہالت وسخت سفاہت ہے بلکہ حقیقۃً روات قراء نے جزئیت میں کچھ دخل نہ دیا واژگوں فہموں نے الٹا سمجھ لیا۔ آخر امام قرطبی وغیرہ کا ارشاد سُن چکے کہ مسئلہ اجتہادیہ ہے۔ علامہ بہاری وعلامہ بحر فرماتے ہیں:

(ترکھا نصف القراء) وھم ابن عامر ونافع بروایۃ الورش وحمزۃ وابوعمر وقال مطلع الاسرار الالٰھیۃ قدس سرہ فی غیر الفاتحۃ (وتواترانہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وسلم (ترکھا) عند قراءۃ السورلان قراءۃ القراء متواترۃ (ولا معنی عند قصد قراءۃ سورۃ ان یترک اولھا) فیجب أن لا تکون جزأ ویشھد علیہ ما روی فی الخبر الصحیح عدم الجھر بھا فی الصلٰوۃ فان قلت قد قرأھا الباقون من القراء فتواتر قراءتہ علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ الصلٰوۃ والسلام فیجب ان تکون جزأ قال (وتواتر قراءتھا عنہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (بقراءۃ) القراء (الاٰخرین لایستلزم کونھا) جزء (منھا) لجواز انیکون للتبرک کالاستعاذۃ[1]۔

اس کو نصف اہلِ علم اور قراء حضرات نے ترک کیا ہے اور وہ ابن عامر، نافع اور ورش کی روایت کے مطابق ابوعامر اور حمزہ ہیں، اور مطلع الاسرار الالٰہیہ قدس سرہٗ نے غیر فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ سورتوں کو پڑھنے میں آپ نے بسم اللہ کو ترک فرمایا کیونکہ قراء حضرات کی قرأت متواترہ ہیں اور ممکن نہیں کہ سورۃ کو پڑھتے وقت اس کے اول (بسم اللہ) کو چھوڑ دیں لہذا ضروری ہے کہ بسم اللہ سورتوں کا جز نہیں، اور یہ بات اس کی شاہد ہے کہ صحیح طور پر مروی حدیث میں ہے کہ آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام نے نماز میں بسم اللہ کا جہر نہیں فرمایا، اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ باقی قراء حضرات نے بسم اللہ کو سورتوں کے ساتھ پڑھا ہے اور جب قراء حضرات کی قرأت متواتر ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بسم اللہ کا سورتوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ سے متواتر ہوگا، اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتوں کا جز ہے، تو جواب میں کہا کہ باقی قراء حضرات کی قرأت سے حضور علیہ السلام کی قرأت کے متواتر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سُورتوں کا جز ہو جائے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے تبرک کے طور پر پڑھا ہو جیسا کہ اعوذ باللہ کا حکم ہے۔ (ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے مگر جہالِ زمانہ کو خبر نہیں۔

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ منشورات الرضی قم ایران ۲ / ۱۴

اب نظر غائر کیجئے تو حذف صراحۃً نافی و منافی جزئیت ہے کہ اگر جز ہوتی تو حذف کیونکر ہوسکتی، اور اثبات اصلاً مفیدِ جزئیت نہیں کہ اثبات اعوذ پر بھی اجماع قرا ہے اور وہ بھی مثل اثبات بسملہ متواتر، حالانکہ باجماعِ مسلمین قرآن نہیں، غیث النفع میں ہے:

لاخلاف بین العلماء ان القارئ مطلوب منه فی اول قراءته ان یتعوذ الخ[1]	علماء میں یہ کوئی اختلاف نہیں کہ قاری قرآن کی تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھے الخ (ت)

شرح الشاطبیہ لابن القاصح میں ہے:

الاستعاذة قبل القراءة باجماع وقوله مجلا ای مطلقا لجمیع القراء وفی جمیع القراٰن[2]	اعوذ باللہ قراءت شروع کرنے سے قبل بالاجماع پڑھی جائے، اس کے قول مجلا کا معنی تمام قراء کے نزدیک تمام قرآن کے شروع میں۔ (ت)

تو مجرد اثبات و روایت متواترہ قراء سے عند التحقیق جزئیتِ قرآن پر بھی جزم نہ ہوسکتا نہ کہ خاص جزئیت سورت پر، ولہذا علمائے عالم جیسا کہ اثبات و تواترِ تعوذ پر اجماع کرکے اس کی عدم قرآنیت پر اجماع رکھتے ہیں یونہی اثبات و تواتر بسملہ یک بار مطلق پر اجماع فرماکر اس کی قرآنیت میں اختلاف رکھتے ہیں تو مجرد اثباتِ قراء و تواترِ روایت سے جزئیت پر دلیل لانی محض باطل ہے، ہاں قرآنیت بسم اللہ پر اس کے سوا ایک دلیل قطعی قائم ہوئی جس کا ذکر اوپر گزرا جمہور ائمہ قائلِ قرآنیت ہولئے اور جزئیتِ سورت پر کوئی دلیل قطعی نہیں لہذا جمہور ائمہ جانبِ جزئیت نہ گئے، بحمد اللہ تعالٰی اس تقریر سے مثل آفتاب روشن ہوگیا کہ ائمہ قراءت کا اثبات متواتر اصلاً مفیدِ جزئیت نہیں، اس بنا پر حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تواترِ جزئیت کا ادعائے باطل درکنار قراء سے تواتر قول بالجزئیت بھی ثابت نہیں ہوسکتا بالجملہ یہ کہنا حق ہے کہ اثبات و حذف دونوں متواتر قطعی اور یہ کہنا باطل کہ جزئیت و عدم دونوں القطع مروی کہ اثبات و جزئیت میں شرق و مغرب کا فرق ہے اس پر ایک دلیل جلیل واضح و روشن یہ بھی ہے کہ قائلانِ جزئیت بعض احادیث احاد سے احتجاج و استناد کی طرف جھکے اور اس بنا پر کہ ثبوت قطعی نہیں ظنیت مسئلہ کی تصریحیں کرگئے دفع اعتراض کے لئے یہاں کفایت ظن کے قائل ہولئے جیسا کہ ابھی کلمات امام حجۃ الاسلام و امام ماوردی و امام نووی و امام محلی و امام ابن حجر وغیرہم سے مذکور ہوا اگر اثبات قراء مثبت جزئیت ہوتا تو اسی پر تعویل کرتے قطعیت چھوڑ کر ظنیت کی طرف کیوں اُترتے ھذا کلہ جلی واضح عند کل من لہ فہم و عقل فضلا

---

[1] غیث النفع فی القراءات السبع　باب البسملۃ　مطبوعہ مصطفی البابی مصر　ص ۴۸

[2] تذکار المقری شرح شاطبیہ لابن القاصح　"　"　"　"　ص ۲۶

افادۂ ثامنہ **اقول** روایت اثبات کا اثبات جزئیت عند المسلمین سے بھی بے علاقہ ہونا تو ظاہر ہوچکا اور ہم یہ بھی ثابت کر آئے کہ شمارِ آیات وسور دلیل واضح ہے کہ قراءِ مسلمین بھی جزئیتِ سور نہیں مانتے تاہم اب اگر بالفرض کسی طریقہ سے ثابت بلکہ متواتر بھی ہو کہ امام عاصم کا مذہب جزئیت تھا تو وہ جدا بات ہے اس میں ہمیں کلام نہیں، مذہب میں ہم اُن کے مقلد نہیں، نہ اُن کی قراءت کا اختیار برخلاف مذہب اُن کے مذہب پر عمل لابد کرسکے، امرِ واضح پر دلیل روشن درکار ہو تو سُنئے، شک نہیں کہ ہمارے ائمہ نے قراءتِ عاصم و روایتِ حفص اختیار فرمائی اور شک نہیں کہ بالاجماع نماز سریہ وجہریہ سب میں ہمارے یہاں اخفاءِ بسملہ کا حکم اور شک نہیں کہ مذہبِ امام پر نمازِ جہریہ میں ایک آیت کے سہواً اخفاء پر بالاتفاق سجدہ اور عمداً پر اعادہ لازم، تو قطعاً ثابت کہ حفص و عاصم اگرچہ جزئیتِ فاتحہ کی طرح جزئیتِ ہر سُورت بھی مانتے ہوں مگر ان کی قراءت اختیار کرنے نے ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور نہ کیا ورنہ ضرور جہریہ میں جہر تسمیہ علی الفاتحہ کا حکم ہوتا اور اُس کا ترک سجدۂ سہو یا اعادہ چاہتا، پھر بعد فاتحہ سر سورت پر اتیانِ بسملہ میں عامۂ متونِ مذہب مثل ہدایہ و بدایہ و نقایہ و اصلاح و غرر و ملتقی الابحر و تنویر وغیرہا انکار محض پر ہیں اور اسی پر بدائع و شرح وقایہ و درر و جوہرہ نیرہ و مجمع الانہر وغیرہا شروح نے مشی فرمائی، محققین کے نزدیک اگرچہ اُس کا حاصل کراہت نہیں صرف نفی سنیت ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوی "العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ" میں بیان کیا ہے۔ ت)

تاہم اگر اختیارِ قراءتِ عاصم اختیارِ جزئیت لازم کرتا تو نفی سنیت اور التزام ترک بسملہ میں نفی کراہت پر اجماع حنفیہ ناممکن تھا، ابھی مسلّم و فواتح سے سُن چکے کہ سُورت پڑھتے وقت اس کے اول سے ایک آیت چھوڑ دینا بے معنی ہے سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

فیہ ھجر شیئ من القراٰن وذلک لیس من اعمال المسلمین[1] اھ نقلہ الشامی عن النھر عن الامام فی باب سجود التلاوۃ۔	اس میں بعض قرآن کا ترک لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ بات مسلمانوں کے عمل سے بعید ہے اھ اس کو علامہ شامی نے باب سجود التلاوۃ میں نہر کے حوالے سے امام صاحب سے نقل کیا ہے۔ (ت)

پس آفتاب کی طرح روشن ہُوا کہ ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور کرنا ہمارے ائمہ کرام کے اجماعِ تام کے خلاف اور محض اپنے ذہن کی تراشیدہ بات ہے قصد و عدم قصد ختم سے تفرقہ محض جہالت، اختیار قراءۃ عاصم موجب عمل بر جزئیت نہیں تو ختم میں کیا نقصان، اور اگر ہے تو فرض میں وجوب جہر کیوں نہیں، کیا فرائض میں ہم قرآن

---

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۱۷

بقرأت عاصم نہیں پڑھتے بھلا ختم میں اتنا ہی ہے کہ سنّت ناقص رہی یہاں تو واجب ترک ہوتا ہے۔

افادہ تاسعہ **اقول** بطور مناظرہ علی التنزل اگر مان لیجئے کہ اختلافِ قراء روایت جزئیت و عدمِ جزئیت ہے تاہم جس نے ختم میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھی اس نے یقیناً کلام اللہ ختم کیا نقص اگر ہوا تو روایت میں نہ کہ قرآن میں، تو پورے قرآن کا ثواب نہ ملنا کیا معنی، کیا سنّت یہ ہے کہ مثلاً امام عاصم کی روایت تراویح میں پوری کی جائے یا یہ کہ قرآن عظیم کا ختم کامل ہو، اگر اول، تو تو محض باطل اور شرعِ مطہر پر کھلا افتراء کس دلیل شرعی کا حکم ہے کہ خاص فلاں روایت کا اہتمام مسنون، اور ثانی مانو اور وہی حق ہے تو قرآن عظیم تو بالقطع والیقین یوں بھی ختم ہوگیا پھر کامل ثواب نہ ملنا یعنی چہ، کیا بعض روایات پر قرآن کامل ہے بعض پر معاذ اللہ ناقص، حاش للہ ہر طرح تام وکامل ہے ورنہ لازم آئے کہ بعض بلکہ ہر عرض میں حضور پرنور سید العالمین وحضرت جبریل رُوح الامین صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم میں ناقص قرآن کا دور ہوا ہر قاری کے پاس ناقص قرآن رہا کہ ہر قراءت میں بہ نسبت دوسری کے کچھ نہ کچھ اثبات وحذف ہے، اپنے نزدیک تمامی عنداللہ تمامی کو مستلزم نہیں، اور جب عنداللہ تمامی تو نقص ثواب کا زعم رب العزت کی جناب میں سُوئے ظن ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ[1] (بیشک اللہ تعالٰی نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ ت) اگر کہئے گو قرآن فی نفسہ تام وکامل ہے مگر مثلاً امام عاصم کے نزدیک پورا نہ ہوا۔

اقول دو حال سے خالی نہیں یا تو قراء کے نزدیک روایات اُخر بھی متواترہ نہیں اور اُن میں ایک کا اعتبار اس بنا پر کہ اپنے اساتذہ پر یونہی پڑھا اُن کے نزدیک اپنی ہی روایت متواتر ہوئی یا تواتر باقی پر اطلاع نہ ملی علی الاول بلاشبہہ امام عاصم پر یہ اعتقاد فرض کہ کلام الٰہی پورا ختم ہوگیا اگرچہ اُن کی روایت پُوری نہ ہُوئی اور ثواب کامل اسی پر منوط تھا نہ خاص ان کی روایت پر، وعلی الثانی جب ہم پر مہرِ نیمروز وماہِ نیم ماہ کی طرح اُن روایات کا تواتر روشن ہوگیا تو امام عاصم کا نہ جاننا، مطلع نہ ہونا کچھ حجت نہیں، غرض نہ عاصم کی روایت پر ثواب محصور نہ عاصم کے خیال کی تقلید ضرور جبکہ بالقطع والیقین حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اُس کا خلاف بتواتر ماثور، کیا مزے کی بات ہے کہ امام مذہب بلکہ انصافاً امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب تو محض اپنے اس زعمِ باطل پر چھوڑا جائے کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ ت) قولِ احناف ہے اور امام عاصم کا ایک خیال کہ عدمِ اطلاع پر مبنی ہوا اُس پر جمود ایسا ضرور کہ اُس کے مقابل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر قطعی بھی نامنظور۔

---

[1] القرآن ۹/ ۱۲۰

ہاں ائمہ کرام نے حفظ دین عوام کو یہ وصیت فرمائی کہ جاہلوں کے سامنے قراءتِ غریبہ و وجوہِ عجیبہ نہ پڑھیں کہ مبادا وُہ انکار یا طعن یا استہزاء کی آفت میں نہ پڑیں، درمختار میں ہے:

یجوز بالروایات السبع لکن الاولی ان لایقرء بالغریبۃ عند العوام صیانۃ لدینھم[1]

قرآت سبعہ پڑھنا جائز ہے مگر عوام کے لئے اجنبی قراءت کو نہ پڑھے تاکہ عوام کے دین میں خلل نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ یجوز بالروایات السبع، بل یجوز بالعشر ایضا کمانص علیہ اھل الاصول؛ قولہ بالغریبۃ ای بالروایات الغریبۃ و الامالات، لان بعض السفھاء یقولون مالا یعلمون فیقعون فی الاثم والشقاء، ولاینبغی للائمۃ ان یحملوا العوام علی مافیہ نقصان دینھم، ولایقرؤ عندھم مثل قراءۃ ابی جعفر وابن عامر وعلی بن حمزۃ والکسائی صیانۃ لدینھم فلعلھم یستخفون اویضحکون وان کان کل القراءات والروایات صحیحۃ قطعیۃ ومشائخنا اختاروا قراءۃ ابی عمرو وحفص عن عاصم اھ عن التتارخانیۃ عن فتاوی الحجۃ[2]

قولہ روایتِ سبعہ جائز ہے بلکہ عشرہ بھی جائز ہے جیسا کہ اہلِ اصول نے تصریح کی ہے؛ قولہ اجنبی یعنی روایات اور امالاتِ اجنبیہ کو نہ پڑھے کیونکہ بعض جاہل لوگ لاعلمی کی وجہ سے باتیں بنائیں گے اور گناہ اور بدی میں مبتلا ہوں گے، امامت کرانے والے حضرات کو مناسب نہیں کہ لوگوں کو دینی نقصان میں ڈالیں، اور ان کے سامنے امام ابوجعفر، ابن عامر، علی اور کسائی جیسی قراءت نہ کریں، ہوسکتا ہے کہ عوام لاعلمی کی بنا پر ان کی قراءات کو حقیر جانتے ہوئے ان پر ہنسنا شروع کردیں اور ان کا دین محفوظ رکھنا ضروری ہے اگرچہ یہ تمام قراءات قطعی طور پر صحیح ہیں، جبکہ ہمارے مشائخ نے ابوعمرو کی عاصم سے روایت کردہ قراءت کو اپنایا ہے اھ یہ فتاوی الحجہ سے تتارخانیہ کی روایت ہے۔ (ت)

اسی طرح علمگیریہ وغیرہا میں ہے۔

افادۂ حادیہ عشر **اقول** جس مصلحت کے لئے یہاں علما نے پیش عوام روایت غریبہ کی

---

[1] درمختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۸۰

[2] ردالمحتار " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۴۱

افادۂ عاشرہ اگر بعد طلوع فجر ساطع وظہور حق لامع اپنی خطا پر مطلع ہوکر دعوی نقصان ثواب سے عدول کرکے اس راہ چلئے کہ بلاشبہہ قرآن بھی کامل ختم، ختم کامل کا ثواب بھی حاصل مگر جبکہ ہم قرأت امام عاصم اختیار کئے ہوئے ہیں تو ہم پر شرعاً یہی واجب کہ انھیں کی روایت پر قرآن ختم کریں۔

اقول یہ بھی محض باطل اتباع قراءت واحدہ صرف ہنگام روایت واجب ہے کہ روایت احد القراء کا نام کرکے بعض حروف روایت دیگر پڑھے تو کذب فی النسبۃ وتخلیط وتغلیط لازم آئے کہ اس تقدیر پر اس کا مفاد یوں ہوگا کہ یہ لفظ اس طرح اس امام کی روایت ہے حالانکہ وہ اس کی روایت نہیں، تلاوت میں تعیین قراءت واجب نہیں کہ آخر سب قرآن اور سب حق منزل من عند الرحمٰن ہے تو تخصیص بعض وانکار بعض کے کیا معنی، اختلافِ قراءت مثل اختلافِ مذاہب نہیں کہ تعیین واجب یا تلفیق باطل ہو، یہاں اگر بعض سور بلکہ ایک سورت کی بعض آیات بلکہ ایک آیت کے بعض کلمات ایک قراءت کے مطابق پڑھے اور بعض دیگر بعض دیگر کے تو عند التحقیق اصلاً ممانعت نہیں جب تک وُہ تلفیق موجب اختلال نظم یا فسادِ معنی نہ ہو، اور اگر ایک کلام ختم ہوکر دوسری بات شروع ہو جب تو احق واولٰی بالجواز ہے خصوصاً جبکہ مجلس متبدل ہو، امام خاتم الحفاظ جلال الحق والدین سیوطی اتقان شریف میں امام سید القراء شیخ المقرئین شمس الملۃ والدین ابوالخیر ابن الجزری سے نقل فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان کانت احدی القراءتین مرتبۃ علی الاخری منع ذلک منع تحریم کمن یقرأ فتلقی اٰدم من ربہ کلمٰت برفعھما او نصبھما اخذ ارفع اٰدم من قراءۃ غیر ابن کثیر ورفع کلمات من قراءتہ ونحو ذلک مما لا یجوز فی العربیۃ واللغۃ ومالم یکن کذلک فرق فیہ بین مقام الروایۃ وغیرھا فان کان علی سبیل الروایۃ حرم ایضا لانہ کذب فی الروایۃ وتخلیط وان کان علی سبیل التلاوۃ جاز[1]

یہ کہنا درست ہوگا کہ دونوں قراءات میں ایک دوسری پر مرتب ہے تو یہ ممنوع بطور تحریم ہے جیسا کہ فتلقی اٰدم من ربہ کلمٰت میں لفظ "اٰدم" اور "کلمٰت" دونوں پر پیش پڑھے یا دونوں پر زبر پڑھے، یوں کہ "اٰدم" پر پیش کو غیر ابن کثیر کی قراءت سے اور "کلمٰت" کی پیش ابن کثیر کی قراءت سے اخذ کرے، اس طرح یہ عربی میں اور لغت میں جائز نہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر روایت اور غیر روایت کے مقام میں فرق ہوگا، اور اگر روایت کے طور پر ہو تو بھی حرام ہے کیونکہ یہ روایت میں خلط اور کذب ہوگا، اور اگر بر سبیلِ تلاوت ہو تو یہ جائز ہے۔ (ت)

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الخامس فی آداب تلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۰

تلاوت سے منع کیا، مسئلہ بسملہ میں انصافاً دیکھئے تو ہمارے بلاد میں خاص صورت اخفاء میں ہے کہ یہاں کے تمام حفاظ وقراء وسامعین عامۂ مسلمین کے کان ہر سورت پر جہر بسم اللہ سے آشنا نہیں وہ اسے سُن کر مخالفت کریں گے طعن واعتراض سے پیش آئیں گے تمہارے زعم میں یہ اعتراض اُس امر پر ہوگا جو قرناً فقرناً حضور پُرنور سیّد یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر ہے، اور دوسرا امر جس کے وہ عادی ہیں یعنی اخفاء تم خود بھی مقر ہو کہ وہ بھی حق وصحیح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایسا ہی متواتر ہے تو اسی کو کیوں نہ لیجئے اور عکس کرکے مسلمانوں میں فتنہ عوام میں شورش کیوں پیدا کیجئے اب اپنے زعم باطل پر تم خود اس کے باعث ہوتے ہو کہ امر متواتر عن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مسلمانوں سے انکار و اعتراض کراؤ کیا اسی کا شریعتِ مطہرہ نے حکم دیا ہے، کیا اسی پر قاری یا مُلّا ہونا رہ گیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب تک بات نئی بیگانہ تازی جدا اکثر مسلمین کے گوش ناآشنا نہ ہو شہرت نام کا ذریعہ نہیں ہوتی مگر پناہم بخدا کہ قاریانِ قرآن قراءتِ قرآن سے شہرت نام کی نیت رکھیں، علمائے کرام ایسے محل پر ترک افضل کی رائے دیتے ہیں نہ کہ ترک مساوی، امام علامہ جلال الدین زیلعی نصب الرایہ میں نقل فرماتے ہیں:

یسوغ للانسان ان یترك الافضل لاجل تالیف القلوب واجتماع الکلمة خوفا من التنفیر، کما ترك النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بناء البیت علی قواعد ابراھیم لکون قریش کانوا حدیثی عھد بالجاھلیة، وخشی تنفیرھم بذلك، ورای تقدیم مصلحة الاجتماع علی ذلك، ولما انکر الربیع علی ابن مسعود اکماله الصلوٰة خلف عثمان، قال الخلاف شر، وقد نص احمد وغیره علی ذلك فی البسملة وفی وصل الوتر وغیر ذلك مما فیه العدول عن الافضل الی الجائز المفضول مراعاة لائتلاف المامومین اولتعریفھم السنة وامثال ذلك وھذا اصل کبیر فی سد

لوگوں کی تالیف قلبی اور ان کو مجتمع رکھنے کے لئے افضل کو ترک کرنا انسان کے لئے جائز ہے تاکہ لوگوں کو نفرت نہ ہوجائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کی عمارت کو اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر قائم رکھا تاکہ قریشی نومسلم ہونے کی وجہ سے اس کی نئی بنیادوں پر تعمیر کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں تو آپ نے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت کو مقدم سمجھا، اور جیسا کہ حضرت ربیع نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز میں اختلاف کی بنا پر روکا تو انہوں نے فرمایا کہ خلاف کرنے میں شر ہے، اسی لئے امام احمد وغیرہ نے بسم اللہ اور وتر کے وصل وغیرہ کے بارے میں اس کی تصریح کی ہے، یہ وہ معاملات ہیں جن میں افضل سے عدول کرکے جائز مفضول کو

الذرائع[1]

اختیار کیا گیا ہے تاکہ مقتدی حضرات کی تالیفِ قلبی اور ان کی سنت شناسی وغیرہ کا پاس کیا جاسکے، یہ بات فتنہ کے سدِّ باب کے لئے بڑا ضابطہ ہے۔ (ت)

یہ سب اس تقدیر پر تھا کہ بفرضِ باطل قطعیت جزئیت مان لی جائے ورنہ حق و تحقیق کا ایضاح پہلے ہوچکا اس تقدیر پر قاری وملّا اپنی اس تنفیر و اثارتِ فتنہ کی حدیں بتائیں یہاں تو بداہۃً عوام اُس غیر قصدی الزام سے بھی محفوظ اور یہ تنفیر و ایقاعِ اختلاف ویسے مستند معتمد سے نامحفوظ کما لا یخفی واللہ الہادی (جیسا کہ مخفی نہیں، اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ ت)

افادۂ ثانیہ عشر

یہاں تک دعوی قطعیت جزئیت ولزوم نقصان ختم کا رد تھا کہ بحمد اللہ باحسن وجوہ ظاہر ہوا اب بعونہٖ تعالٰی جہر و اخفا کی طرف چلئے، تراویح میں جہر بسملہ کا حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر کہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افترا ہے تواتر درکنار زنہار کسی حدیث احاد سے بھی اس کا ثبوت نہیں، جہر فی التراویح تو جدا مطلقاً کسی نماز میں حضور والا صلوات اللہ وسلامہ علیہ کا بسم اللہ شریف جہر سے پڑھنا ہرگز ہرگز متواتر نہیں، تواتر کیسا نفس ثبوت میں سخت کلام ونزاع ہے، امام حافظ عقیلی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں:

لایصح فی الجھر بالبسملۃ حدیث مسند[2]۔ ذکرہ فی عمدۃ القاری۔

بسم اللہ میں کوئی حدیث مسند صحیح نہیں، اسے عمدۃ القاری میں ذکر کیا گیا۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

لم یصح فی الجھر حدیث[3]۔ ذکرہ فی عنایۃ القاضی۔

جہر تسمیہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ اسے عنایۃ القاضی میں ذکر کیا گیا۔

یہی امام دارقطنی جب مصر تشریف لے گئے کسی مصری کی درخواست سے دربارۂ جہر ایک جزء تصنیف فرمایا بعض مالکیہ نے قسم دے کر پُوچھا کہ اس میں کون سی حدیث صحیح ہے آخر براہِ انصاف اعتراف فرمایا کہ:

کل ما روی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ

یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر میں جو کچھ

---

[1] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۲۸

[2] عمدۃ القاری باب مایقول بعد التکبیر " ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۵/۲۸۸

[3] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ " دار صادر بیروت ۱/۳۱

فی نیل الاوطار۔

امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ذکر کیا ہے۔

امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

الحاصل ان احادیث الجھر لم تثبت[1] اثرہ السید الازھری فی الفتح۔

خلاصہ یہ کہ جہر کی حدیثیں ثابت نہ ہوئیں۔ سید ازہری نے اس کو فتح میں نقل کیا ہے۔

امام زیلعی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں:

فھذہ الاحادیث کلھا لیس فیھا صریح صحیح، ولیست مخرجۃ فی شیئ من الصحیح ولا المسانید ولا السنن المشھورۃ وفی رواتھا الکذابون والضعفاء والمجاھیل الخ[2]

ان حدیثوں میں کوئی حدیث صریح و صحیح نہیں، نہ یہ صحاح ومسانید وسنن مشہورہ میں مروی ہوئیں ان کی روایتوں میں کذاب، ضعیف، مجہول لوگ ہیں الخ

امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

احادیث الجھر لیس فیھا صریح بخلاف حدیث الاخفاء فانہ صحیح صریح ثابت مخرجہ فی الصحیح والمسانید المعروفۃ والسنن المشھورۃ[3]۔

جہر کی حدیثوں میں کوئی حدیث صحیح وصریح نہیں بخلاف حدیث اخفا کہ وہ صحیح وصریح اور صحاح ومسانید وسنن مشہورہ میں ثابت ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد چاروں ائمہ مذہب اور بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ چھوں ائمہ حدیث اور دارمی وطحاوی وابن خزیمہ وابن حبان ودارقطنی وطبرانی وابویعلی وابن عدی وبیہقی وابونعیم وابن عبدالبر اکابر حفاظ واجلہ محدثین اپنی صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم میں باسانید کثیرہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلف ابی بکر وعمر وعثمٰن فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمٰن

میں نے حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر صدیق وعمر فاروق وعثمان غنی کے پیچھے نماز پڑھی ان میں کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہ سنا

---

[1] تبیین الحقائق فصل اذا اراد الدخول فی الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ امیریہ بولاق مصر ۱/۱۱۲

[2] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلٰوۃ " مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۵

[3] عمدۃ القاری النوع الرابع اختلاف الفقہاء فی البسملۃ " ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۵/۲۹۱

وسلم فی الجهر فلیس بصحیح[1]۔ ذکرہ الامام الزیلعی عن التنقیح عن مشایخه عن الدارقطنی والمحقق فی الفتح۔

روایت کیا گیا ہے اس میں کچھ صحیح نہیں۔ اس کو امام زیلعی نے اپنے مشائخ کی تنقیح قرار دے کر دارقطنی سے نقل کیا ہے اور محقق نے فتح القدیر میں ذکر کیا۔

امام ابن الجوزی نے کہا:

لم یصح عنه صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم فی الجهر شیئ[2] ذکرہ القاری فی المرقاۃ۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر بسم اللہ میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔

یہاں تک کہ تنقیح میں احادیثِ جہر لکھ کر فرما گئے:

هذه الاحادیث فی الجملة لاتحسن بمن له علم بالنقل ان یعارض بها الاحادیث الصحیحة، ولولا ان یعرض للمتفقه شبهة عند سماعها فیظنها صحیحة لکان الاضراب عن ذکرها اولی، ویکفی فی ضعفها اعراض المصنفین للمسانید والسنن عن جمهورها[3]۔

ان احادیث کو صحیح احادیث کے معارض قرار دینا نقل کے فن میں علم والے کو درست نہیں۔ اگر ان روایات کو فقیہ سُن کر غلط فہمی کی بنا پر صحیح گمان کرنے کا خدشہ نہ ہوتا تو ان کو ذکر نہ کرنا مناسب تھا، اور ان روایات کے ضعف پر دلیل تمام مسانید و سنن کے مصنفین کا ان کو ذکر نہ کرنا ہی کافی ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ وہ احادیث نہ احادیثِ صحیحہ کے مقابل نہ ذکر کے قابل، ولہذا مصنفانِ مسانید و سنن نے اُن کے ذکر سے اعراض کیا نقله فی نصب الرایة (اس کو نصب الرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ت) خود پیشوائے وہابیہ ابن القیم نے اپنی کتاب مسمّی بالہدیٰ میں لکھا:

فصحیح تلك الاحادیث غیر صریح وصریحها غیر صحیح[4]۔ نقله امام الوهابیة الشوکانی

ان حدیثوں میں جو صحیح ہے وُہ جہر میں صریح نہیں اور جو جہر میں صریح ہے وہ صحیح نہیں۔ اس کو وہابیوں کے

---

[1] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۹

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ ؍؍ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۸۶

[3] نصب الرایہ بحوالہ التنقیح کتاب الصلوٰۃ ؍؍ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸

[4] نیل الاوطار باب ما جاء فی بسم اللہ الخ ؍؍ مصطفی البابی مصر ۲/۲۲۸

الرحیم[١] ھذا لفظ مسلم وفی لفظ للامام احمد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ وغیرھم باسناد علی شرط الصحیح کما افادہ فی الفتح کانوا لا یجھرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[٢] وفی لفظ لابن خزیمۃ والطبرانی^ف وابی نعیم کانوا یسرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[٣] ولابن ماجۃ فکلھم یخفون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم[٤]

وُہ بسم اللہ شریف کا جہر نہ فرماتے تھے وہ بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے، یہ امام مسلم کے الفاظ تھے، امام احمد، نسائی اور ابن حبان اپنی صحیح میں اور دوسروں نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ جیسا کہ فتح القدیر نے بیان کیا ہے، جن کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ حضرات بسم اللہ کا جہر نہ فرماتے تھے، اور ابن خزیمہ، طبرانی، ابونعیم کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ بسم اللہ کو پوشیدہ پڑھتے تھے، اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں کہ، کہ وہ سب بسم اللہ کا اخفاء فرماتے تھے۔ (ت)

یہ وہ حدیث جلیل ہے جس کی تخریج پر چاروں ائمۂ مذہب اور چھتوں اصحابِ صحاح متفق ہیں بلکہ طبرانی^ف نے انھیں سے روایت کی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یسر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم وابابکر وعمر وعثمٰن وعلیا[٥]۔

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہم بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے۔

امام الائمہ امام ابوحنیفہ و امام محمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وغیرہم ابن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال:

---

[١] صحیح مسلم باب حجۃ من قال لایجہر بالبسملۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ١/١٧٢

[٢] مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک رضی اللہ عنہ " دارالفکر بیروت ٣/١٧٩، ٢٧٥

فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ١/٢٥٤

[٣] صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ عنہ انہم کانوا یسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ١/٢٤٩

[٤] سنن ابن ماجہ باب افتتاح القراءت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ٥٩

[٥] المعجم الکبیر مروی از انس رضی اللہ عنہ حدیث ٧٣٩ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ١/٢٥٥

صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ عنہ انہم کانوا یسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ١/٢٥٠

ف: طبرانی کبیر اور صحیح ابن خزیمہ میں عثمان و علی رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں۔ نذیر احمد

سمعنی ابی وانا اقول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فقال ای بنی ایاك والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ قال وصلیت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر ومع عثمٰن فلم اسمع احدا منھم یقولھا فلا تقلھا، انت اذا صلیت فقل الحمد للہ رب العٰلمین[1]۔

یعنی مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ شریف پڑھتے سنا، فرمایا اے میرے بیٹے! بدعت سے بچ۔ ابن عبداللہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اُن سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہ دیکھا، انھوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ نماز پڑھی کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہیں سنا تم بھی نہ کہو جب نماز پڑھو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرو۔

انھی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی امام کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے سُنا، پکار کر فرمایا:

یا عبداللہ انی صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم فلم اسمع احدا منھم یجھر بھا[2]۔ رواہ الامام الاعظم ذکرہ فی الفتح۔

اے خدا کے بندے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابوبکر و عمر و عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں کسی کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے نہ سنا۔ اس کو امام اعظم رحمہ اللہ نے روایت کیا اسے فتح میں ذکر کیا گیا۔

امام اعظم و امام محمد و امام احمد و امام طحاوی و امام ابوعمر ابن عبدالبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم قراءۃ الاعراب[3]۔

بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنی گنواروں کی قرات ہے۔

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی ترک الجہر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۳
سنن ابن ماجہ باب افتتاح القراءت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹

[2] مسند الامام الاعظم بیان عدم الجہر بالبسملۃ ” نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۵۸
فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ ” مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[3] شرح معانی الآثار باب قراءت بسم اللہ الخ ” ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰
المصنف لابن ابی شیبۃ من کان لایجہر ببسم اللہ الخ ” ادارۃ القرآن الخ کراچی ۱/۴۱۱

حدثنا المخلص نا ابو الفضل شعیب بن محمد نا علی بن حرب بن بسام سمعت شعیب بن جریر یقول قلت لسفین الثوری حدث بحدیث السنة ینفعنی اللّٰه به فاذا وقفت بین یدیه وسألنی عنه قلت یا رب حدثنی بهذا سفین فانجوا انا و تؤخذ فقال اکتب بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم القرأن کلام اللّٰه غیر مخلوق منه (وجعل یسرد الی ان قال) یا شعیب لا ینفعک ما کتبت حتی تری المسح علی الخفین وحتی تری ان اخفاء بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم افضل من الجهر به وحتی تؤمن بالقدر (الی ان قال) اذا وقفت بین یدی اللّٰه فسألك عن هذا فقل یا رب حدثنی بهذا سفین الثوری ثم خل بینی و بین اللّٰه عزوجل[۱]

یعنی شعیب بن جریر نے امام سفیان ثوری سے کہا مجھے عقائدِ اہلسنت بتا دیجئے کہ اللہ عزوجل مجھے نفع بخشے اور جب میں اس کے حضور کھڑا ہوں اور مجھ سے ان کے متعلق سوال ہو تو عرض کر دوں کہ الٰہی! یہ مجھے سفیان نے بتائے تھے تو میں نجات پاؤں اور جو پُوچھ گچھ ہو آپ سے ہو تو فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں اور اسی طرح اور عقائد و مسائل لکھوا کر فرمایا اے شعیب! یہ جو تم نے لکھا تمھیں کام نہ دے گا جب تک مسح موزہ کا جواز نہ مانو اور جب تک یہ اعتقاد نہ رکھو کہ بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا آواز پڑھنے سے افضل ہے اور جب تک تقدیرِ الٰہی پر ایمان نہ لاؤ جب تم اللہ عزوجل کے حضور کھڑے ہو اور تم سے سوال ہو تو میرا نام لے دینا کہ یہ عقائد و مسائل مجھے سفیان ثوری نے بتائے پھر مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور چھوڑ کر الگ ہو جانا۔

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں: هذا ثابت عن سفین وشیخ المخلص ثقة[۲]۔ یہ روایت سفیان سے ثابت ہے اور راوی ثقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

افادۂ ثالثہ عشر **اقول** ہم آفتابِ روشن کی طرح ثابت کر آئے کہ اگر بفرض باطل مذہب ثابت نہیں کہ اُن کا طریقہ نماز میں ہر جگہ جہر بسم اللہ تھا تاہم ان کی قرات اختیار کرنی ہرگز اسے مستلزم نہیں کہ نماز میں دربارۂ جہر و اخفاء اُن کی پیروی ضرور ہو کہ یہ مسئلہ فقہیہ ہے اور ہم فقہ میں اُن کے مقلد نہیں، آخر نہ دیکھا کہ ہمارے ائمہ کرام نے اُن کی قرات اختیار فرمائی اور نماز میں بسم اللہ شریف کے اخفاء کا حکم دیا، لاجرم ہمارے علماء نے صاف صریح تصریح فرمائی کہ جہر و اخفائے بسم اللہ شریف میں امامِ قرات کا اتباع بیرونِ نماز

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ للذہبی عنوان سفیان بن سعید ثوری ع۴۳ بحوالہ اللالکائی مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱/ ۱۹۳

[۲] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

نیز اسی جناب سے مروی ہوا :

لم یجھر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالبسملۃ حتی مات[1] ذکرہ المحقق فی الفتح۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی بسم اللہ شریف کا جہر نہ فرمایا یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اسے محقق نے فتح میں ذکر کیا۔

اثرم بسند صحیح عکرمہ تابعی شاگرد خاص حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی :

انا اعرابی ان جھرت ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[2]۔

میں گنوار ہوں اگر بسم اللہ شریف جہر سے پڑھوں۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں راوی :

حدثنا حماد بن زید عن کثیر بن شنظیر ان الحسن سئل عن الجھر بالبسملۃ فقال انما یفعل ذلک الاعراب[3]۔

حماد بن زید نے کثیر بن شنظیر سے بیان کیا کہ امام حسن بصری سے جہر بسم اللہ کا حکم پوچھا گیا، فرمایا یہ گنواروں کا کام ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں امام ابراہیم نخعی تابعی سے راوی : الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم بدعۃ[4] : بسم اللہ شریف جہر سے کہنا بدعت ہے۔ اثرم انھیں سے راوی :

ما ادرکت احدا یجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم والجھر بھا بدعۃ[5]۔

میں نے صحابہ وتابعین میں کسی کو بسم اللہ شریف کا جہر کرتے نہ پایا اُس کا جہر بدعت ہے۔

سبحان اللہ! حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر درکنار ان حضرات عالیہ کے نزدیک کچھ بھی ثبوت ہوتا تو کیا یہ اجلّہ صحابہ وتابعین معاذ اللہ اسے بدعت بتاتے یا گنواروں کا فعل کر سکتے تھے ولکن الجھلۃ یقولون مالا یعلمون (لیکن جاہل لوگ غیر معلوم باتیں کرتے ہیں۔ ت) نہایت کہ امام الفقہا امام المحدثین اوحد الاولیا اوحد المجتہدین سیدنا امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اختیار جہر بسم اللہ کا قول سخت مہجور مجبور مانا اور اس کے اخفا کو افضل واولٰی سمجھا تمہ عقائد اہل سنت جانا محدث لالکائی کتاب السنہ میں بسند صحیح راوی :

---

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[2]

[3] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ بحوالہ سنن سعید بن منصور کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸

[4] مصنف ابن ابی شیبہ من کان لایجھر ببسم اللہ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۴۱۱

[5] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ بحوالہ الاثرم کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸

ہے نماز میں اخفا ہی کرے اور بیرونِ نماز بھی اتباعِ قاری خاص صرف بروجہ اولویت ہے نہ بطورِ وجوب ولزوم و ضرورت۔

لما قدمنا ان القراءات کلہا حقۃ بالیقین لا احتمال فیہا للخطأ ولا ینافی بعضہا بعضا فلا حجر فی شیئ منہا لاجمعا ولا افرادا مالم یؤد التلفیق الی التغییر بخلاف المجتہدات الخلافیۃ فان المجتہد یخطیئ ویصیب فلا نعدو عما اعتقدنا انہ صواب یحتمل الخطأ الی ما ظننا انہ خطأ یحتمل الصواب ولئن لفقت لربما اتفق الاقوال علی فساد العمل۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ تمام قراءات برحق ہیں، ان میں خطاء کا احتمال نہیں ہے اور ایک دوسرے کے منافی بھی نہیں ہیں، لہذا ان کو ملاکر پڑھنا یا علیحدہ علیحدہ پڑھنا اس وقت تک جائز ہے جب تک ان کا مختلف انداز معنی کی تبدیلی پیدا نہ کرے۔ اس کے برخلاف اجتہادی اختلافی مسائل ہیں چونکہ مجتہد کے اجتہاد میں درستی اور خطا دونوں کا احتمال موجود ہے اس لئے وہاں ہم اپنے ظن میں درست کو اپنائیں گے اور جس کو ہم خطا سمجھیں گے اس کو نہیں اپنائیں گے کیونکہ ہم اعتقاد کے پابند ہیں اگرچہ فی الواقع اس کی خطاء کا احتمال ہے، اور یہاں اجتہادی مسائل میں مختلف مجتہدین کے اجتہاد کو اپنانا عمل میں فساد پیدا کردے گا۔ (ت)

مجتبٰی شرح قدوری پھر کفایہ شرح ہدایہ پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:

لا یجہر بہا فی الصلٰوۃ عندنا خلافا للشافعی وفی خارج الصلٰوۃ اختلاف الروایات والمشایخ فی التعوذ والتسمیۃ قیل یخفی التعوذ دون التسمیۃ والصحیح انہ یتخیر فیہما ولکن یتبع امامہ من القراء وہم یجہرون بہما الا حمزۃ فانہ یخفیہما اھ۔

ہمارے نزدیک نماز میں جہر نہیں ہے، امام شافعی اس کے خلاف ہیں، اور خارج از نماز بسم اللہ اور اعوذ باللہ میں مشائخ اور روایات کا اختلاف ہے ایک قول میں اعوذ باللہ کو مخفی اور بسم اللہ کو جہر کے ساتھ لیکن صحیح یہ ہے قاری کو اختیار ہے کہ دونوں کو آہستہ پڑھے یا بلند پڑھے، لیکن ائمہ قراء میں اپنے امام کی اتباع بہتر ہے امام حمزہ جہر کے قائل نہیں ہیں باقی ائمہ جہر کے قائل ہیں اھ (ت)

بحمداللہ تعالٰی یہ خیالاتِ جدیدۂ وہابیہ کے رَد میں ہمارے علماء کا نص صریح ہے۔

افادۂ رابعہ عشر

اقول وباللہ التوفیق حقیقت امر یہ ہے کہ روایاتِ قراء

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الکفایۃ عن المجتبٰی فصل واذا اراد الشروع فی الصلٰوۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۹۰

طبقۃً فطبقۃً قرناً فقرناً بذریعہ تدریس وتعلیم وتلقی تلامذہ عن الشیوخ ہیں تو یہ جہر واخفا اوقات تعلیم و اقرا کی خبر دیتے ہیں نہ خاص حال نماز کی حضور پُرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تو طریقہ تعلیم قرآن عظیم معین رہا کہ تلامذہ پڑھتے استاذ سنتے بتاتے نہ یہ کہ نمازوں میں سُن سن کر سیکھتے جس میں سوال وجواب وتفہیم وتفہم کا کوئی موقع نہیں، بیرونِ نماز بھی قراءتِ شیوخ کا دستور نہ تھا بلکہ اسے ناکافی سمجھتے اگرچہ یہاں ممکن تھا کہ جو طرز ادا تلمیذ کی سمجھ میں نہ آتا دریافت کرلیتا استاد اعادہ کردیتا۔ اتقان شریف میں ہے:

اوجه التحمل عند اهل الحديث السماع من لفظ الشيخ والقراءة عليه، والسماع عليه بقراءة غيره، والمناولة والاجازة والمكاتبة والعرضية والاعلام والوجادة، فاما غير الاولين فلا یاتی هنا لما یعلم مما سنذكره، واما القراءة على الشيخ فهی المستعملة سلفا وخلفا، واما السماع من لفظ الشيخ فیحتمل ان یقال به هنا لان الصحابة رضی الله عنهم انما اخذوا القرآن من فی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لكن لم یأخذ به احد من القراء والمنع فیه ظاهر لان المقصود ههنا كیفیة الاداء ولیس كل من سمع من لفظ الشیخ یقدر علی الاداء كهیأته، بخلاف الحدیث فان المقصود فیه المعنی او اللفظ لا بالهیأت المعتبرة فی اداء القرآن، واما الصحابة فكانت فصاحتهم وطباعهم السلیمة تقتضی قدرتهم علی الاداء كما سمعوه من النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لانه نزل بلغتهم، ومما یدل للقراءة علی الشیخ

محدثین کے ہاں اپنے شیخ سے حدیث اخذ کرنے کے کئی طریقے ہیں، شیخ کے الفاظ کو سُننا، شیخ پر پڑھنا، دوسرے شاگرد کو پڑھتے ہُوئے سننا، لکھے ہوئے کو لینا، مرویات کی اجازت لینا، لکھنا، وصیت کے طور اپنانا، اطلاع حاصل کرنا، شیخ کے لکھے ہُوئے کو پہچان کر یاد کرنا، لیکن قرآن کی قراءت کے بارے میں پہلے دو طریقوں کے علاوہ دوسرے طریقے جائز نہیں جیسا کہ اس کی وجہ ہم بیان کریں گے، یہاں قراءت میں شیخ پر شاگرد کا پڑھنا ابتداء سے آج تک مروج ہے اور شیخ سے سننا بھی یہاں جائز ہوسکتا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قرآن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سن کر اخذ کیا ہے، لیکن قراء حضرات نے اس طریقہ کو نہیں اپنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ قراءۃ میں ادائیگی کی کیفیت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ استاذ کی ادائیگی کی کیفیت کو محض سننے پر اخذ کرلے، لہذا قراءت میں یہ طریقہ منع ہے مگر حدیث میں معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ یہاں معنی یا لفظ مقصود ہوتے ہیں لیکن ادائیگی والی کیفیت قرآن کی طرح یہاں معتبر نہیں ہے، ہاں صحابہ کرام کا معاملہ

عرض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم القراٰن علٰی جبریل فی رمضان کل عام[1] اھ

الگ ہے کیونکہ وہ اپنی فصاحت اور سلامتی طبع کی بنا پر حضور علیہ السلام سے سن کر قراءت کو اسی کیفیت سے ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے اور اس لئے بھی کہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا ہے، اور قرآن کو اخذ کرنے میں شیخ کو سنانے والا طریقہ اس لئے بھی جائز ہے کہ ہر سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں جبرائیل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے اھ (ت)

اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اگرچہ بسبب کمال افادۂ حضور فاعل کامل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونہایت استعداد نفوس قوابل رضی اللہ تعالٰی عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سُن کر سیکھا مگر وہ بھی بطور تعلیم وتلقین ظاہر وباطن ونظم ومعنی وحکم وحکمت تھا نہ یوں کہ صرف نماز میں قراءت اقدس سے لفظ یاد کرلئے، صحابہ کرام دس دس آیتیں مع ان کے علم وعمل کے سیکھتے جب اُن پر قادر ہوجاتے دس اور تعلم فرماتے۔ اسی طرح امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہ برس میں سورۂ بقر حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پڑھی جب ختم فرمائی ایک اونٹ ذبح کیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے آٹھ سال میں پڑھی کہ جس قدر تدبر زائد دیر زائد۔ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال:

کنا اذا تعلمنا من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشر اٰیات من القراٰن لم نتعلم من العشر التی نزلت بعدھا حتی نعلم ما فیہ، فقیل لشریک من العمل قال نعم[2]

ہم جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن کی دس آیات کا علم حاصل کرتے تو اس کے بعد والی دس آیات کی تعلیم حاصل نہ کرتے جب تک پہلی آیات میں بیان شدہ اعمال کو معلوم نہ کرلیتے۔ شریک سے پُوچھا گیا کہ آیات کے بیان شدہ اعمال سیکھنا مراد ہے، تو انہوں نے کہا ہاں۔ (ت)

ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ابوعبدالرحمان سلمی سے راوی، قال:

حدثنا من کان یقرئنا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھم کان یقترؤن من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشر اٰیات ولایأخذون فی العشر الاخری

صحابہ کرام میں سے جو حضرات ہمیں قراءت پڑھاتے انہوں نے فرمایا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس آیات پڑھتے اور ان کے بعد دس آیات کو اس وقت تک اخذ نہ کرتے جب تک پہلی دس آیات کے علم وعمل کو

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الرابع والثلاثون الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۹

[2] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر عنوان عبداللہ بن مسعود بن غافل ۲۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴/ ۵۹

حتی یعلموا ما فی ھذہ من العلم والعمل فانا علمنا العلم والعمل[1]

نہ سیکھ لیتے، یُوں ہم علم اور عمل دونوں کو حاصل کرتے۔ (ت)

ابن سعد طبقات میں بطریق عبداللہ بن جعفر عن ابی الملیح عن میمون اور امام مالک موطا میں بلاغاً راوی:

ان ابن عمر تعلم البقرۃ فی ثمان سنین[2]

بیشک عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورۂ بقرہ کو آٹھ سال میں سیکھا۔ (ت)

خطیب بغدادی کتاب رواۃ مالک میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال:

تعلم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمھا نحر جزورا[3]

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورۂ بقرہ کو بارہ سال میں سیکھا، جب انہوں نے اسے ختم کیا تو ایک اونٹ ذبح کیا۔ (ت)

تو ظاہر ہُوا کہ یہ روایات جہر و اخفا قراءات خارج از نماز کی نقل ہیں اب بحمد اللہ تعالٰی اُس ارشاد علماء کا راز واضح ہوا کہ بیرونِ نماز اتباع امام قرات مناسب ہے اس کی نظیر منیر مسئلۂ تعوذ ہے عامۂ قرا کا اُس کے جہر پر اتفاق ہے۔ امام اجل ابو عمرو دانی نے اس پر اجماع اہل ادا نقل فرمایا، امام عارف باللہ شاطبی نے باوصف حکایت خلافعه تصریح فرمائی کہ ہمارے حفاظ و رواۃ اُس کا اخفا نہیں مانتے۔ تیسیر باب ذکر الاستعاذہ میں ہے:

لا اعلم خلافا بین اھل الاداء فی الجھر بھا عند افتتاح القراٰن وعند الابتداء برؤس الاجزاء وغیرھا فی مذھب الجماعۃ اتباعا للنص واقتداء بالسنۃ۔[4]

قرآنی نص اور سنّت کی اتباع میں قرآن کی ابتداء میں اور پاروں وغیرہ کی ابتداء میں تلاوت شروع کرتے وقت جیسا کہ ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اعوذ باللہ کو جہر سے پڑھنے میں اہل ادا یعنی قراء حضرات کا اختلاف نہیں ہے۔ (ت)

عه ای وان جاءت الروایۃ علی انحاء فصلھا ۱۲ منہ

اگرچہ تعوذ کے بارے میں مختلف صورتیں مروی ہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب فضائل قرآن ١٠٥٥٥ حدیث ٩٩٨٠ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ١٠/٤٦٠

[2] موطا امام مالک باب ماجاء فی القرآن مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ١/١٩٠

[3] رواۃ مالک للخطیب بغدادی

[4] تیسیر باب ذکر الاستعاذہ

حرز الامانی ووجہ التہانی میں ارشاد فرمایا: ؎

اذا ماردت الدھر تقرء فاستعذ
جھارا من الشیطان باللہ مسجلا[1]

(تو زندگی بھر جب بھی قرآن کی قراءت کرے تو اعوذ باللہ کو بلند آواز سے پڑھ، مسجلاً۔ ت)

سراج القاری میں ہے:

"قولہ مسجلا ای مطلقا لجمیع القراء و فی جمیع القرأن"[2]

اس کا قول "مسجلا" یعنی تمام قراء حضرات کے نزدیک اور تمام قرآن میں۔ (ت)

پھر فرمایا: ؎

واخفاؤہ فصل اباہ وعاتنا
وکم من فتی کالمھدوی فیہ اعملا[3]

اس کی شرح میں ہے:

ای دوی اخفاء التعوذ عن حمزۃ و نافع اشار الی حمزۃ بالفاء من فصل و الی نافع بالالف من اباہ وجھربہ الباقون وھم ابن کثیر و ابوعمرو و ابن عامر وعاصم و الکسائی ھذا ھو المقصود بھذا النظم بالباطن ونبہ بظاھرہ علی ان من ترجع قراءتہ الیھم من الائمۃ ابوا الاخفاء ولم یاخذوا بہ بل اخذوا بالجھر للجمیع و لذلک امر بہ مطلقا فی اول الباب[4] ملخصا

یعنی امام حمزہ اور نافع سے اعوذ باللہ کا اخفاء مروی ہے "فصل" کی فاء سے حمزہ کی طرف "اباہ" کے الف سے نافع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور باقی قراء حضرات نے اعوذ باللہ کو جہر مانا ہے اور باقی حضرات یہ ہیں: ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر، عاصم اور امام کسائی۔ باطنی طور پر اس نظم کا یہ مقصد ہے، اور ظاہر میں انھوں نے یہ تنبیہ کی ہے کہ جن ائمہ کی طرف قراءت منسوب ہے انھوں نے اخفاء کا انکار کیا ہے اور اس پر عمل نہیں کیا بلکہ انھوں نے اعوذ باللہ کا جہر کیا ہے اور یہاں اول میں مطلقاً کہہ کر تمام قرآن میں تعوذ کے جہر کی طرف اشارہ کیا ہے (ت)

---

[1] حرز الامانی ووجہ التہانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰
[2] سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی باب الاستعاذہ " " " " ص ۳۱
[3] حرز الامانی ووجہ التہانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰
[4] سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی باب الاستعاذہ " " " " ص ۳۲

اب کون عاقل کہے گا کہ یہ اطباق جمہور رواۃ و اتفاق جمیع اہلِ ادا نماز و غیر نماز سب کو شامل، وہ سب تمام قراء کے طور پر نماز میں بھی اعوذ بجہر پڑھتے تھے، حاشا بلکہ قطعاً یہ روایات و نقول سب محل روایت و تلاوت بیرونِ نماز سے متعلق ہیں لاجرم شرح میں فرمایا:

قولہ فاستعذ جهارا هو المختار لسائر القراء وهذا فی الاستعاذة القاری علی المقرئ او بحضرة من یسمع قراءته اما من قرأ خالیا او فی الصلٰوة فالاخفاء اولٰی[1]

اس کا قول "جهارا" یہ تمام قراء حضرات کا قول ہے، یہ اس صورت میں ہے جب قاری استاذ کے سامنے یا مجمع میں پڑھے۔ لیکن اگر کوئی شخص خلوت میں یا نماز میں قراءت کرے تو پھر اخفاء کرنا اولٰی ہے (ت)

امام جلیل جلال سیوطی اتقان میں کتاب النشر امام القراء محمد محمد ابن الجزری سے ناقل:

المختار عند ائمة القراءة الجهر بها وقیل یسر مطلقا وقیل فیما عدا الفاتحة وقد اطلقوا اختیار الجهر وقیده ابوشامه بقید لابد منه وهو ان یکون بحضرة من یسمعه لان الجهر بالتعوذ اظهار شعار القراءة کالجهر بالتلبیة وتکبیرات العید ومن فوائده ان السامع ینصت للقراءة من اولها لایفوته منها شیئ واذا اخفی التعوذ لم یعلم السامع بها الا بعد ان فاته من المقرء شیئ وهذا المعنی هو الفارق بین القراءة فی الصلٰوة وخارجها[2]

قراءت کے ائمہ کے ہاں اعوذ باللہ کا جہر ہے اور ایک قول میں یہ ہے کہ اس کو مطلقاً آہستہ پڑھے، اور ایک قول میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن میں آہستہ پڑھے جبکہ جہر کا عموم راجح ہے، اور ابوشامہ نے اس جہر کو ایک ضروری قید سے مقید کیا ہے کہ جب مجلس میں سننے والے ہوں تو جہر کرے کیونکہ اعوذ باللہ کا جہر قراءۃ کا شعار ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب قاری اعوذ باللہ کا جہر کرے گا تو سامع ابتداء سے ہی خاموشی سے سُننا شروع کرے گا اور اس کا سماع فوت نہ ہوگا، اور جب اعوذ باللہ کو آہستہ پڑھے گا تو سامع کو تلاوت کے شروع ہونے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کچھ سماع ابتداءً فوت ہوجائے گا، نماز اور خارج نماز اعوذ باللہ کے بارے میں یہی وجہِ فرق ہے۔ (ت)

افادۂ خامسہ عشر قرآنیتِ بسم اللہ ضرور حق ہے مگر وہ ہرگز من حیث الروایہ ثابت

---

[1] سراج القاری المبتدی شرح حرز الامانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۳۱

[2] اتقان النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۰۵

نہیں بلکہ کتابت مصاحف و اجماع علی التجرید سے، ولہذا جب امام ولی صالح قدس سرہ المجید نے قصیدہ میں فرمایا:

وبسمل بین السورتین بسنة
رجال نموها دریة وتحملا

(دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ سنتِ صحابہ سے ثابت ہے جس کو انھوں نے جاری رکھا، عقل و نقل کے طور پر)

شارح علامہ نے صاف تصریح فرمادی کہ مراد بالسنة التی نموها کتابة الصحابة لها فی المصحف (سنة التی نموها سے مراد صحابہ کرام کا بسم اللہ کو مصحف شریف میں لکھنا ہے۔ ت) پھر اس کا حاصل بھی صرف اس قدر کہ بسم اللہ کلامِ الٰہی ہے نہ یہ کہ ہر سورت کی جز ہے یا ختم میں ہر جگہ اُس کا جہر لازم کما مر فی الافادة السادسة (جیسا کہ چھٹے افادہ میں گزرا۔ ت) اور جب اسے چھوڑ کر نفس روایت بمعنی متعارف کی راہ لیجئے اور صرف اس کی صحت کو مناط امان کر اثبات مدعا کا حوصلہ کیجئے تو یہ محض باطل وہوس عاطل، فقط صحت روایت پر مدارِ قراءت ہونے سے کیا مقصود ہے، آیا یہ کہ صرف اس قدر سے قرآنیت ثابت ہوجاتی ہے تو قطعاً مردود کہ قرآنیت بے دلیل قطعی یقیناً مفقود، افادہ ششم میں اس کا بیان موجود۔

اقول ولانسلم انه فی القرآن یعنی عن السبعة ما لم یتواتر وان اشتهر بل القرآن متواتر قطعا بجمیع اجزائه وان لم تقف انت علی تواتر بعضه فلیس من شرط المتواتر تواتره عندك۔

اقول (میں کہتا ہوں) قرآن ہونا محض شہرت سے اگرچہ قراء سبعہ سے منقول ہو ثابت نہیں ہوگا جب تک قطعی تواتر سے تمام اجزاء منقول نہ ہوں، اگر تجھے تواتر کا بعض اجزاء کے بارے میں علم نہیں تو متواتر ہونے کے لئے تیرے ہاں تواتر ضروری بھی نہیں ہے۔ (ت)

اتقان میں ہے:

لاخلاف ان کل ما هو من القرآن یجب ان یکون متواترا فی اصله واجزائه واما فی محله ووضعه وترتیبه فکذلك عند محققی اهل السنة للقطع بان العادة تقضی بالتواتر فی تفاصیل مثله لان هذا

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو کچھ قرآن کا حصہ ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اور اس کے تمام اجزاء متواتر ہوں، قرآنی حصہ کا محل، مقام اور ترتیب بھی اسی طرح متواتر ہونا اہلسنت کے محققین کے ہاں ضروری ہے کیونکہ اس معاملہ میں تفصیل عادتاً تواتر سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ

المعجز العظیم الذی ھو اصل الدین القویم والصراط المستقیم مما تتوفر الدواعی علی نقل جملہ وتفاصیلہ فما نقل اٰحاداً ولم یتواتر یقطع بانہ لیس من القراٰن قطعاً الخ[1]۔

یہ عظیم معجزہ جو کہ دینِ قویم اور صراطِ مستقیم کی بنیاد ہے اس کے اجمال و تفصیل کے دواعی وافر طور پر پائے جاتے ہیں، جو اجزاء خبرِ واحد یا غیر متواتر طور پر ثابت ہوں ان کے قطعی طور پر قرآن ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا الخ (ت)

اور اگر یہ مراد کہ جب روایت صحیح ہو، رد نہ کریں گے صرف اسی قدر پر پڑھنا جائز سمجھیں گے تو **اوّلاً** یہ بھی چاروں مذہب میں باطل جمہور محققین قراء و محدثین و فقہا و اصولیین اس کے بطلان کے قائل،

اقول کیف لا وانما الکلام فی قراءتہ قراٰناً وھی موقوفۃ علی ثبوت قراٰنیتہ الموقوف علی تواترھا والا فلا شك فی جواز قراءۃ الاحاد بل الشواذ للاحتجاج بھا فی حکم کخبر الواحد او الاستشھاد بھا علی مسئلۃ ادبیۃ مثلا اذا لم یعتقد قراٰنیتھا ولم یوھمھا والا حرم باجماع المسلمین کما نص علیہ فی غیث النفع عن ابی القاسم النویری فی شرح طیبۃ النشر عن الامام ابی عمر فی التمھید۔

اقول یہ کیسے نہ ہو جبکہ بحث قرآن ہونے کے لحاظ سے قراءت میں ہے، قراءت بطور قرآن کا ثبوت اس کے قرآن ہونے پر اور قرآن ہونا موقوف ہے اس کے تواتر پر، ورنہ محض قراءت کا جواز تو احاد بلکہ شاذ سے بھی ثابت ہوجاتا ہے جبکہ اس سے کسی حکم کا استدلال کرنا ہو جیسا کہ خبرِ واحد کا حکم ہے یا اس کو کسی ادب کے بارے مسئلہ پر شاہد بنانا مقصود ہو بشرطیکہ اسے قرآن نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس سے قرآن ہونے کا وہم پیدا ہو، ورنہ قرآن ہونے کا اعتقاد کرنا تمام مسلمانوں کے اجماع پر حرام ہے جیسا کہ اس کی تصریح غیث النفع میں ابوالقاسم نویری کے حوالہ سے کی ہے کہ انھوں نے طیبۃ النشر کی شرح میں امام ابوعمر کے حوالہ سے کہ انھوں نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

غیث النفع میں ہے:

مذھب الاصولیین وفقھاء المذاھب الاربعۃ والمحدثین والقراء ان التواتر شرط فی صحۃ القراءۃ ولا تثبت

اہلِ اصول، چاروں فقہاءِ کرام، محدثین اور قراء حضرات کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کی قراءت کے طور پر متواتر ہونا ضروری ہے، اور محض صحیح سند سے ثابت ہونا

---

[1] الاتقان النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوتہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۷

بالسند الصحیح غیر المتواتر ولو وافقت رسم المصاحف العثمانیة والعربیة وقال الشیخ ابو محمد مکی القراءة الصحیحة ماصح سندها الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وساغ وجھها فی العربیة ووافقت خط المصحف وتبعه علی ذلك بعض المتأخرین ومشی علیه ابن الجزری فی نشرہ وطیبته وھذا قول محدث لایعول علیه ویؤدی الٰی تسویة غیر القرأن بالقرأن ولا یقدح فی ثبوت التواتر اختلاف القراء فقد تواتر القراءة عند قوم دون قوم الخ[1]

کافی نہیں ہے اگرچہ وُہ الفاظ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط اور عربی کلام کے معیار پر کیوں نہ ہو، شیخ ابو محمد مکی نے فرمایا کہ قراءۃ صحیحہ وُہ ہے کہ جس کی سند حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام تک صحیح ہو اور اس کا انداز عربی ہو اور قرآنی رسم الخط کے موافق ہو، اس کو بعض متاخرین نے معیار بنایا ہے اور ابن جزری نے بھی اپنی کتاب نشر اور طیبہ میں اس کی پیروی کی ہے حالانکہ یہ معیار نئی بات ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے قرآن اور غیر قرآن مساوی ہوجائیں گے۔ تواتر کے ثبوت میں قرار حضرات کا آپس کا اختلاف مانع نہیں ہے کیونکہ ہر ایک تواتر سے قرات کرتا ہے اگرچہ ہر ایک کا تواتر مختلف ہے الخ (ت)

اور بعض متاخرین کہ جائز رکھتے ہیں وُہ بھی شہرت واستفاضہ وقبول قرّا شرط کرتے ہیں مجرد صحت روایت پر قناعت کسی معتمد فی الفن کا قول نہیں، خود امام ابن الجزری جنھوں نے نشر میں یہ ضابطہ باندھا کہ:

کل قراءة وافقت العربیة ولو بوجه ووافقت احدی المصاحف العثمانیة ولو احتمالا وصح سندها فھی القراءة الصحیحة۔[2]

ہر وہ قراءت جو کسی طرح عربی معیار، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی سے موافق ہونے کا احتمال، اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ قراءۃ صحیحہ ہے۔ (ت)

انھیں نے اس ضابطہ کی تشریح میں آپ ہی فرمایا:

اذا کانت القراءة مماشاع وذاع وتلقاہ الائمة بالاسناد الصحیح اذھو الاصل الاعظم والرکن الاقوم۔[3]

جب وُہ قراءۃ مشہور و معروف ہو اور امت نے صحیح سند سے اس کو قبول کرلیا ہو، یہ اس لئے ضروری ہے کہ تلقی اُمت، رکنِ اعظم اور مضبوط بنیاد ہے (ت)

---

[1] غیث النفع فی القراءات السبع علی ہامش سراج القاری، فوائد تشدید الحاجۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵، ۶

[2] الاتقان بحوالہ کتاب النشر لابن جزری النوع الثانی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۵

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۷۵

پھر فرمایا:

نعنی به ان یروی تلك القراءة العدل الضابط عن مثله وھکذا حتی تنتھی و تکون مع ذلك مشھورة عند ائمة ھذا الشان[1]

ہماری مراد یہ ہے کہ اس قراءت کو عادل کامل ضبط شخص نے اپنے ہی جیسے سے آخر تک سلسلہ وار روایت کیا ہو اور اس کے باوجود وہ ایسے ہی عظیم شخصیات کے ہاں مشہور بھی ہو۔ (ت)

امام جلیل جلال سیوطی جنھوں نے یہاں کلام امام القراء کی تعریف کی اگرچہ اس کے بعد وہ کلام مذکور سابق افادہ فرمایا جس نے اُس کے مضمون کی تضعیف[عہ] کی:

اعنی لاخلاف ان کل ماھو من القراٰن یجب ان یکون متواترا[2] الی اٰخر مامر۔

یعنی جو بھی قرآن ہے اس کا متواتر ہونا واجب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (ت)

اس کلام کی تلخیص میں فرماتے ہیں:

اتقن الامام ابن الجزری ھذا الفصل جدا وقد تحرر لی منه ان القراءات انواع الاول المتواتر الثانی المشھور وھو ما صح سندہ ولم یبلغ درجة التواتر ووافق العربیة والرسم واشتھر عند القراء و یقرؤ به علی[عہ2] ماذکر ابن الجزری الثالث الاٰحاد وھو ما صح سندہ وخالف الرسم او العربیة او لم یشتھر الاشتھار المذکور ولا یقرؤ به[2] اھ۔

امام ابن جزری نے اس بحث کو خوب مضبوط بنایا، مجھے ان کی بحث سے یہ واضح ہُوا کہ قراءتیں کئی قسم ہیں، ایک متواتر، دوسری مشہور، یہ وُہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو مگر درجۂ تواتر کو نہ پہنچی ہو اور عربی قواعد اور رسم الخط کے موافق ہو اور قراء حضرات کے ہاں مشہور ہو اور اس کی قراءت کی جاتی ہو، جیسا کہ ابن جزری نے ذکر کیا ہے، اور تیسری احاد ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو لیکن عربی رسم الخط یا قواعد کے خلاف ہو اور مذکورہ شہرت کے معیار کو نہ پائے اور نہ ہی اس کی قراءت کی جاتی ہو اھ (ت)

[عہ] بلکہ یہاں بھی ایک لفظ سے اپنی براءت اس سے ظاہر فرمادی کما سیأتی ١٢ منہ (م)

[عہ2] ھذہ کلمة التبری ١٢ منہ (م)

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ کتاب النشر النوع الثانی والثالث مطبوعہ مصطفی البابی مصر ١/٧٦

[2] " " " " " " " " " " " " " ١/٧٧

ثانیاً اگر بالفرض یہ مسلّم بھی ہو تو اس سے حاصل کتنا؟ جوازِ قراءت نہ بروجہ قرآنیت، یہ محض ایک امر زائد و خارج ہے جس سے نہ لزوم و ضرورت ثابت ہو سکے نہ بحال ترک کسی عاقل کے نزدیک حکم نقصان ختم کی راہ ملے،

اللھم الا عند مجنون نابذ العقول لایسمع مایقال ولایدری مایقول۔

اے اللہ! مگر جو مجنون بے عقل ہو جو بات کو نہ سُنے نہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ (ت)

بالجملہ یہاں تین چیزیں اثبات بسملین کتابت مصاحف، روایت منصوصہ۔

اول تو اوّلاً بحث سے محض برکراں جس سے جزئیت سور درکنار قرآنیت کا اثبات بھی ظاہر البطلان۔

ثانیاً روایاتِ جہر و اثبات سب بیرونِ نماز کی حکایات، اُس سے مطلق نماز یا خاص تراویح پر حکم ناقابلِ التفات۔

ثالثاً بفرض باطل بطور مناظرہ ادعائے نقصان ختم میں یُوں بھی کلام کہ خلاف و اثبات دونوں طور پر قرآن تمام۔

دوم ثبوتِ قرآنیت پر ضرور دلیل مبین مگر حاشا جزئیت سور و جہر فی الصلوٰۃ سے علاقہ نہیں نہ تکرر نزول تعدد آیات پر دلیل معقول، تو ایک بار پر اقتصار میں نقصان ختم کا زعم مخذول۔

سوم کی دو صورتیں ہیں، تواتر یا مجرد صحت، اور ہر ایک دربارۂ جہر فی التراویح یا درباب جزئیت بسم اللہ شریعت میں تواتر نص تو سرے سے دربارۂ قرآنیت ہی نہیں نہ جزئیت چہ رسد اور جہر مذکور و جزئیت سور میں نفسِ صحت معدوم تا بتواتر چہ کشد، خود قائلانِ جزئیت مصرحان ظنیت اور نافیانِ ظنیت اور عند التحقیق انتفائے قطعیت خود انتفائے جزئیت ولہذا صحابہ و تابعین و جمہور ائمہ دین کو اس سے انکار اور قول جزئیت کے محدث و نو پیدا ہونے کا صاف اظہار، ہاں صرف دربارۂ فاتحہ بعض اخبار آحاد مذکور کہ عند المحققین مخالفت قاطع کے سبب مہجور اور مجرد صحت روایت پر اقتصار و قناعت باطل و مقہور، پھر علی التسلیم اُن سے ثابت ہوگا تو وہ امر جدید جو دعوے مخالف کے عموم و خصوص دونوں کا مخالف و رد شدید یعنی صرف جزئیتِ فاتحہ تو ہر سُورت پر جہر کے لئے یہ تعمیم سور کا رد ہُوا اور فاتحہ کے ساتھ فرائض جہریہ میں اخفا رکس وجہ سے اس نے تخصیص تراویح کو باطل کیا، یہ تو امور ثابتہ تھے ولو بوجہ جن میں مخالف کے لئے اصلاً سند نہ کوئی صورت کسی پہلو پر اُس کی مستند اور یہیں سے واضح کہ مسئلے کو منصوصہ قطعیہ اجماعیہ غیر اجتہادیہ ماننا مذہب کو اس میں دخل نہ جاننا محض جہل مستر داب نہ رہا مگر یہ جاہلانہ زعم زاعم کہ جزئیت سور یا جہر فی التراویح مذہب عاصم اور اُن کی قراءت کے آخذ پر جہر و اخفاء نماز میں اُن کا اتباع لازم، اول ائمہ قراءت پر افترا و تہمت اور ثانی محض جہل و سفاہت، مخالفت تصریح ائمہ حنفیت، غرض حفاظ حنفیہ پر سر ہر سورت پر جبر جہر محض ظلم و قہر نہ شرع سے اس پر دلیل قائم بلکہ دلائل شرعیہ اصلیہ و فرعیہ ہمارے قول پر حاکم، ہمارے ہی قول کی ناصر و راعی مصالح شرعیہ ہمارے ہی قول کی طرف داعی ولله الحمد والمنۃ والصلوٰۃ والسلام علی نبینا سید الانس والجنۃ واٰلہ وصحبہ سادات الجنۃ۔ اٰمین!

تذییل

الحمدللہ آفتاب عالم تابِ حق وصواب بے نقاب وحجابِ شک وارتیاب جلوہ فرمائے منظرِ احباب ہوا اب کیا حاجت کہ حشویاتِ زائدہ ولغویاتِ بے فائدہ کے رد وابطال میں تضییعِ وقت کیجئے زید بے قید اپنی شدتِ جہالت و قوتِ سفاہت کے باعث خود اس قابل نہیں کہ اُس کی بات قابلِ التفات ہو اُس نے کوئی مطلب روشن علم پر تحریر نہ کیا زورِ تناقض وشورِ تعارض نے جابجا اپنا ہی لکھا خود رد کردیا عناد واجتراء ومکابرہ وافتراء سب وشتم علمائے کرام بیت اللہ الحرام کے ماوراء جو باتیں اصل مقصد میں لکھیں اپنے دونوں متبوعوں ہی کے کلام سے اخذ کیں متبوعین میں گنگوہی صاحب نے طرفہ تماشا کیا کہ اول تو اپنے پیشوا جناب قاری صاحب کا صاف رد لکھی قاری صاحب نے فرمایا تھا اس مسئلے میں مذہب کو کچھ دخل نہیں، گنگوہی صاحب فرماتے ہیں قبلہ یہ باطل مبین، دخل نہ ہونا کیا معنی صریح اجتہادیہ ہے حفص کا مذہب جہر، امام اعظم کا مذہب اخفاء ہے جس کی پیروی کیجئے درست وبجا ہے، قاری صاحب جہر فی الختم اگرچہ نماز میں ہو حفص کی روایت ہے، عاصم کی قراءت ہے منقول عن الرسول بروجہ صحت ہے، گنگوہی صاحب حضرت نہیں بلکہ حفص کی رائے ہے محل اجتہاد سے، ہاں مذہب سب بجا ہیں یوں حق ورشاد ہے، قاری صاحب یہ اُن امور سے جن میں نزاع کی گنجائش ہی نہیں یہاں تک کہ بد مذہب بھی خلاف سے کنارہ گزیں، گنگوہی صاحب قبلہ یہ لاف ہے صاف گزاف ہے، خود ائمہ سنت نزاع کرتے ہیں، خود امام اعظم کا صریح خلاف ہے، قاری صاحب یہاں چاروں مذہب میں صرف صحتِ روایت پر مدارِ کار ہے، گنگوہی صاحب حضرت چاروں درکنار خود اپنے مذہب میں اس سے انکار ہے، قاری صاحب جب مسئلہ بروایتِ صحیحہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہوچکا خلافِ ابوحنیفہ باقی ہی کب رہا' اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قولِ احناف ہے تو بعد صحت روایت خلاف وتخالف سے مطلع صاف ہے گنگوہی صاحب قبلہ یہ تو بداہۃً مردود، خلاف امام اعظم قطعاً موجود، قاری صاحب بعد صحتِ روایت کسی مذہب کی کیا حاجت یعنی کوئی خلاف کرے بھی تو کیا قابلِ سماعت، گنگوہی صاحب واہ حضرت سب حق وہدایت جس کی اقتداء کرو اہتداء کی بشارت، غرض اولاً قاری صاحب کے خیالات کا ردِ کلی فرماکر آخر میں سارا دھڑا قاری صاحب کے سر دھرا کہ یہ سب کچھ ہے مگر حافظوں پر وہی ضرور جو حضرت قبلہ قاری صاحب کو منظور، ملک خدائے غالب کا حکم جناب قاری صاحب کا، جو ہر سورت پر جہرِ بسم اللہ نہ کرے گا ختمِ کامل کے ثواب سے محروم پھرے گا۔

اقول ان سب خرافاتوں کا رَدِّ بالغ وطرز بازغ، تو طرح طرح سے افادات میں گزرا، یہاں حضرت سے **اولاً** اتنا دریافت کرنا ہے کہ جب سب مذہب حق تھے سب کا اتباع ہدایت، سب کے اقتدا کی عام اجازت، تو اب حفاظ پر خاص ایک ہی کا اتباع کیوں لازم وضرور ہو گیا، حفص کا خلاف تو پہلے بھی معلوم ہی تھا، اُس وقت تو آپ یہی فرمارہے تھے کہ اِس میں عیب، نہ اُس میں حرج۔ اب قاری صاحب کے فرمان میں کیا کسی تازہ وحی نے نزول کیا جس نے ایک حق کو ناحق، ایک ہدایت کو ضلالت، ایک جائز کو ناجائز کر دیا۔

ثانیاً یہ آپ فتویٰ لکھ رہے ہیں یا کوئی اپنی خانگی پنچایت، قاری صاحب کا فرمان حدیث ہے یا آیت یا فقہی روایت، کون سی شرعی حجت۔

ثالثاً ثبوت تو دیجئے کہ مذہب حفص تمام سور میں جزئیت لبسامل تھا۔

رابعاً پہلے اسی سے چلئے کہ امام حفص کو منصبِ اجتہاد حاصل تھا۔

خامساً مسئلہ اجتہادیہ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اپنے فتویٰ میں ذکر فرمان پانی پت تک جو کچھ لکھا سب پر پانی پھیر لیے اور اگر ہاں تو آپ اجتہادیات میں امام اعظم ملت امام ائمہ امت کے مقلد ہیں یا مجتہد العصر پانی پت کے، باتباع ہوا تقلیدِ امام کو آگ دکھانا، پانی پت کی خاک پر دُھونی رمانا، کس نے مانا اور یوں بھی سہی تو آپ کو اپنی ذات کا اختیار، مسلم حنفیہ کو اُن کے خلافِ امام فتویٰ بتانا کیسا ستم، افسوس کہ آپ نے اول تو تقلیدِ شخصی کو ایسا چھوڑا کہ سب مذہب بجا، سب پر عمل روا، آخر میں پکڑا تو ایسا پکڑا کہ امام کا اتباع متروک ومہجور، اور تقلید پانی پت کی پت رکھنی ضرور، اِس شتر گربگی کی کیا سند، صُلت علی الاسد وبُلتُ عن النقد (شیر پر حملہ کیا اور بکری کے ڈر سے پیشاب آگیا۔ ت) خیر انھوں نے تو سب ڈھلی بگڑی، قاری صاحب پر ڈھال کر اُن کی ڈھال پکڑی۔ قاری صاحب کی سُنیئے تو اُن سے بہت کچھ کہنا ہے:

یکم وہ بھی کوئی سند نہ لاسکے، ایک کتاب کی عبارت بھی نہ دکھا سکے، اور عاقل جانتا ہے کہ محلِ فتویٰ میں ادعائے بے دلیل، ذلیل وعلیل۔

دوم سند دکھانا کہاں کا خوب جانتے تھے کہ یہ جلے خلافِ مذہب کہے، لہٰذا وہ راہ چلے کہ اتباعِ مذہب کا جھگڑا ہی نہ رہے، اتنی عمر آئی غیر مقلدوں سے معرض ہیں، ترکِ تقلید پر معترض ہیں، انھیں گمراہ ومفسد بتایا کرتے ہیں، تحریراً وتقریراً جلی کٹی سنایا کرتے ہیں، اب کہ اپنا اجتہاد گرمایا، وہ کچھ فرمایا کہ انھیں بھی شرمایا، بعد صحتِ روایت کسی مذہب کی کیا حاجت، عمل بالحدیث ہی طریقِ انصاف ہے، جب حدیث صحیح ہو پھر کیا خلاف ہے فھو مذھبی (حدیث صحیح ہی میرا مذہب ہے۔ ت) خود قولِ احناف ہے، زمانۂ قرا، زمانۂ اجتہاد وعمل بالسنہ گزرا، تخصیص دلیل ہے کہ جب دورِ تقلید آیا عمل بالسنہ نے منہ چھپایا، حالانکہ تقلیدِ ائمہ ہی عمل بالسنہ ہے اُس کا خلاف صریح فتنہ ہے

ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

سوم اذا صح الحدیث تو سُن لیا مگر صحتِ فقہی وصحتِ حدیثی میں فرق نہ کیا، خاص اس باب میں فقیر کا رسالہ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی مطالعہ کیجئے کہ مطلب کھلے، شک وریب کی ظلمت دُھلے۔

چہارم اگر تلقی والقائے بیرونِ نماز میں صحت روایت جہر مراد، چشم ما روشن دلِ ما شاد، اس سے تراویح پر حکم خرط القتاد، اور اگر خود مطلق نماز یا خاص تراویح میں روایت جہر کی صحت مقصود تو ممنوع ومردود، افادہ ۱۲و۴۴ یاد کیجئے اور خدا انصاف دے اذا صح الحدیث سے اپنے عکس مراد کا مژدہ لیجئے کہ حدیثِ صحیح ہمارے ہی ساتھ، اور بخصوص تراویح میں تو آپ یک دست خالی ہاتھ۔

پنجم مذہب کو دخل نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی مجرد کسی روایت صحیحہ کا وجود، مسئلے کو مجتہد فیہا نہ رکھے یہ تو بداہۃً مردود، کتب معللہ خلافیہ دیکھئے ہزاروں مسائل اجتہادیہ میں ہر فریق یا ایک ہی کے پاس ایک یا چند روایات صحیحہ موجود، ہاں نص قطعی مشہور متواتر دکھا سکئے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے یا ختم تراویح میں ہر سورت پر اُس کا جہر چاہئے تو یہ کہنا ٹھکانے سے ہو تا کہ مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ ان منقولہ میں اور جب اس کی قدرت نہیں تو محض زبانی ادعاؤں سے مذہب حنفیہ رد ہو جائے حاشا یہ ہوس ہی ہوس ہے۔

ششم جزئیت جمیع سور میں اختلاف ائمہ قراءت آپ نے کہیں دیکھا یا محض طبعی جودت، افادہ ۳۴ ملاحظہ ہو کہ ماورائے فاتحہ میں قول جزئیت حادث وبے اصل ہے، افادہ ۵ معلوم ہو کہ سورۂ بقرہ سے سورۂ ناس تک بسم اللہ باتفاق قرا سورت سے خارج امارت فصل ہے۔

ہفتم ایک سو چودہ ۱۱۴ آیتوں کی کمی کس حساب سے جی، قرآن عظیم میں کل سُورتیں اسی قدر ہیں اور براءت میں بالاجماع بسم اللہ نہیں تو بسائل اوائل ایک سو تیرہ ۱۱۳ ہی رہیں، حفاظ بالاتفاق ایک بار جہر کے عامل، تو آپ کے طور پر بھی صرف ایک سو بارہ ۱۱۲ ہی کا نقصان حاصل، چودہ ۱۴ کس گھر سے آئیں، کیا حفد وخلع بھی دو سورتیں شمار فرمائیں، بالفرض کوئی جاہل حافظ مطلقاً تارکِ جہر ہی سہی تاہم کیا براءت مستثنیٰ ہو کر بھی گنتی چودہ ۱۴ کی چودہ ہی رہی، اس سے تو زید بیچارہ آپ کا مقلد ہی اچھا رہا جس نے کہیں کہیں اپنے خیال سے تیرہ ۱۳ کہا۔

ہشتم یہ تو اہل اہوا گمراہان یا طغوی کی خوب ہی حمایتیں فرمائیں، قراءت امر منقول ہے نہ اجتہادی لہٰذا اُس میں کسی بدمذہب کا خلاف نہیں، سبحان اللہ مگر گمراہوں کا خلاف فروعات ظنیہ اجتہادیہ سے مخصوص یا وہ اشقیا، صراحۃً بداہۃً منکر صدہا قواطع ونصوص دیکھئے یا مقری کانک لاتدری ما علی لسانک یجری ؎ فانکنت لاتدری الخ (افسوس ہے اے استاذ! معلوم ہوتا ہے تجھے سمجھ نہیں جو تیری زبان پر جاری ہے، پس اگر تو سمجھ نہیں رکھتا الخ ت

تھم قرات میں اہلِ ہوا کا خلاف نہ ماننا بھی عجب بے خبری ہے یا کوتہ نظری، خلاف کی دو صورتیں ہیں ہمارے ائمہ کی کسی قرات پر طاعن و منکر ہوں یا کہیں اپنی نئی گھڑت کے مظہر، اہلِ ہوا خذلہم اللہ تعالٰی دونوں راہ چل چکے، سردست تحفۂ اثنا عشریہ ہی کا تحفہ کافی جسے ہر فارسی خواں بھی سمجھ سکے، باب دوم مکائد روافض قتلہم اللہ تعالٰی میں فرماتے ہیں:

کید سیزدہم آنست کہ گویند عثمان ابن عفان بلکہ ابوبکر و عمر نیز رضی اللہ تعالٰی عنہم قرآن را تحریف کردند و آیات فضائل اہلبیت اسقاط نمودند از آں جملہ وجعلنا علیا صھرک کہ در الم نشرح بود[1]" ملخصاً

تیرھواں مکر یہ ہے کہ کہتے ہیں عثمان ابن عفان بلکہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم نے قرآن میں تحریف کردی ہے، اور انھوں نے فضائلِ اہلِ بیت کی آیات کو ساقط کردیا ہے اور ان میں سے ایک "الم نشرح" میں یہ آیت تھی کہ علی کو ہم نے تیرا داماد بنایا ہے۔ (ت)

ایک سُنّی نے اس پر ظرافۃً کہا ہاں اس کے بعد ایک آیت اور تھی وہ رافضیوں نے گھٹا دی یعنی وعلی الروافض قھرک (رافضیوں پر تیرا قہر ہے۔ ت) تتمہ باب چہارم میں اُن اشقیا کا زعم نقل کیا:

"صحابہ بجائے من المرافق الی المرافق ساختند و بجائے ائمۃ ھی ازکٰی من ائمتکم، امۃ ھی اربٰی من امۃ نوشتند وعلٰی ہذا القیاس[2]"

صحابہ نے من المرافق کی بجائے الی المرافق کردیا اور ائمۃ ھی ازکٰی من ائمتکم کی بجائے امۃ ھی اربٰی من امۃ کردیا (یعنی "تمہارے اماموں سے زیادہ پاکیزہ امام" کی جگہ "امت یہ دوسری امت سے بڑی" کردیا) علٰی ہذا القیاس۔ (ت)

شرح حدیث الثقلین میں ذکر کیا کلینی رافضی نے کافی میں کہ روافض کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے روایت کی کسی نے امام جعفر صادق کے حضور قرآن کے کچھ لفظ ایسے پڑھے کہ لوگوں کی قرات میں نہ تھے امام نے فرمایا کیا ہے ان الفاظ کو نہ پڑھ جیسا لوگ پڑھ رہے ہیں اسی طرح پڑھ یہاں تک کہ مہدی آکر قرآن کو ٹھیک ٹھیک پڑھیں[3]۔ اُسی میں روایت ہے امام زین العابدین نے یہ آیت یُوں پڑھی: وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث (نہ بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہ نبی نہ محدّث جس سے فرشتے باتیں کریں) اور فرمایا مولٰی علی محدّث تھے[4]۔ اسی میں روایت ہے امام جعفر صادق نے فرمایا: امۃ ھی اربٰی من

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ فصل دوم از باب دوم کید سیزدہم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸

[2] 〃 〃 〃 تتمۃ الباب در دلائل شیعہ باب چہارم 〃 〃 〃 〃 ۱۳۰

[3] و [4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۳۰

امة (یہ اُمت دوسری اُمت سے بڑی۔ ت) کلام اللہ نہیں اس میں تحریف ہوئی اللہ تعالٰی نے یوں اتارا تھا ائمة ھی ازکی من ائمتکم[1] (یہ ائمہ تمہارے ائمہ سے زیادہ پاکیزہ۔ ت) یہیں شاہ صاحب نے ان ملاعنہ کا زعم نقل فرمایا کہ:

لفظ ویلك قبل از لا تحزن ان اللہ معنا نیز ساقط کردہ اند و لفظ عن ولایۃ علی بعد ازیں آیت وقفوھم انھم مسئولون ○ و یملکہ بنوامیۃ بعد خیر من الف شھر و بعلی بن ابی طالب بعد وکفی اللہ المومنین القتال وآل محمد ازیں لفظ وسیعلم الذین ظلموا آل محمد منقلب ینقلبون و لفظ علی بعد از ولکل قوم ھاد، و ذکر کل ذلك ابن شھر آشوب المازندرانی فی کتاب المثالب لہ و علی ھذا القیاس کلمات بسیار و آیات بے شمار را کردہ اند[2] ملخصاً

”نہ ڈر اللہ تعالٰی ہمارے ساتھ ہے“ سے پہلے لفظ ”ویلك“ (تجھے ہلاکت ہو) ساقط کردیا۔ ”ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیا جائے گا“ کے بعد ”عن ولایۃ علی“ (علی کی ولایت کے بارے میں) ساقط کردیا۔ ”اور بنوامیہ بادشاہ بنیں گے“ کو ”خیر من الف شھر“ (ہزار مہینوں سے بہتر) کے بعد بڑھادیا ہے“ اور ”کفی اللہ المؤمنین القتال“ کے بعد ”بعلی بن ابی طالب“ بڑھایا، یعنی ”اللہ تعالٰی مومنوں کو جنگ میں کافی“ کے بعد انھیوں نے ”علی کی وجہ سے“ بڑھادیا۔ اور ”سیعلم الذین ظلموا کے بعد ” آل محمد“ کا لفظ انھوں نے بڑھادیا، یعنی ”عنقریب اللہ تعالٰی اپنے علم کو ظالموں کے بارے میں ظاہر فرمائے گا“ کے بعد ”آل محمد پر ظلم کرنے والے“ بڑھادیا۔ اور ”ہر قوم کے لئے ہادی“ کے بعد لفظ ”علی“ بڑھادیا۔ یہ سب کچھ ابن شہر آشوب المازندرانی نے اپنی کتاب ”المثالب“ میں ذکر کیا، اور اسی طرح انھوں نے بہت سے کلمات اور بہت سی آیات بڑھادیں۔ (ت)

نیز کلینی نے امام جعفر صادق سے روایت کی انھوں نے امۃ ھی اربی کی جگہ ائمۃ ھی ازکی پڑھا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میں آپ پر قربان جاؤں کیا ائمۃ ہے، فرمایا ہاں خدا کی قسم، میں نے کہا لوگ تو اربی پڑھتے ہیں، حقارت سے ہاتھ جھٹک کر فرمایا اربی کیا۔[3]

دہم آپ کے زعم میں بسم اللہ شریف کا جزءِ ہر سورت ہونا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایۃً صحیح ہوچکا

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ از باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ١٣٠

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ١٣١

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ١٣٢

اور آپ تصریح کرتے ہیں کہ باتفاق مذاہب اربعہ یہاں صرف صحتِ روایت پر مدار ہے، ائمہ حنفیہ کا حال تو افادہ ۸ میں ظاہر ہولیا کہ انھوں نے کیونکر آپ کے اس مدار کا دمار نکالا، مالکیہ سے پُوچھئے وہ کیا فرماتے ہیں ہمارے یہاں تو باوصف جہر سور اخفا ہی کا حکم تھا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب مشہور یہ کہ فرضوں میں بسم اللہ ہرگز پڑھے ہی نہیں، نہ آواز سے نہ آہستہ، روایتِ اباحت ضعیف ہے، پڑھے گا تو نماز مکروہ ہوگی، ہاں نفلوں میں اختیار ہے کیا اُنھیں اپنے شہر مبارک مدینہ طیبہ کے امام قراءت حضرت نافع کا حال معلوم نہ تھا کہ بروایت قالون بسم اللہ پڑھتے ہیں، علامہ زرقانی مالکی شرح موطائے امام مالک میں فرماتے ہیں:

المشھور من مذھب مالك کراھتھا فی الفرض[1]	امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ فرضوں میں یہ مکروہ ہے (ت)

مقدمہ عشماویہ علامہ عبدالباری منوفی رفاعی مالکی میں ہے:

المشھور فی البسملۃ والتعوذ الکراھۃ فی الفریضۃ دون النافلۃ وعن مالك القول بالاباحۃ[2]	بسم اللہ اور اعوذ باللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کا پڑھنا فرضوں میں مکروہ ہے نفلوں میں مکروہ نہیں، اور امام مالک سے ایک قول میں مباح ہے۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

قال ابو عمر قال مالك لاتقرؤ البسملۃ فی الفرض سرا ولاجھرا وفی النافلۃ ان شاء فعل وان شاء ترك[3]	ابو عمر نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا بسم اللہ کو فرضوں میں نہ بلند آواز سے پڑھو نہ پست آواز سے، اور نفلوں میں پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔ (ت)

ذرا اس تفریق کو بھی اپنے مدار سے تطبیق دیجئے۔

یازدہم تا شانزدہم تقریر شریف میں یہ فقرات عجیب ہیں کہ زمانۂ قراءِ سبعہ زمانۂ اجتہاد تھا زمانۂ تابعین تھا، ائمۂ مذہب تا زمانۂ قراء محتاج الیہ و محصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے، قراء کا مذہب پوچھنا عبث ہے، اُن فقرات کو مقصود میں بھی کچھ دخل ہے یا برائے بیت ہیں جب آپ کے نزدیک اس مسئلے میں مذہب کو اصلاً دخل ہی نہیں تو زمانۂ قراء زمانۂ اجتہاد ہو یا عصرِ تقلید، عہدِ تابعین ہو یا وقتِ جدید، ائمہ مذہب اس وقت

---

[1] شرح الزرقانی علی الموطا

[2] المقدمۃ فی الفروع المالکیۃ للعشماوی

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر حدیث ۱۳۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۲۸۴

محتاج الیہم ہوں یا بیکار، معدودے چند ہوں یا بے شمار، قراءِ سابق ہوں یا لاحق، قاری مجتہد ہوں یا مقلد، ان امور سے علاقہ ہی کیا رہا اور ان کے خلاف بھی مانئے تو تفاوت کیا' فتوائے شامی میں اس سے پہلے تین چار سطر کی تقریر اسی کے متعلق کہ زمانہ تبع تابعین و محدثین تک چار میں حصرِ مذاہب نہ تھا مجتہدین بکثرت تھے' جب اور مذہب مندرس ہوگئے مذہبِ اہلِ حق ان چار میں محصور ہوگیا' اور بھی ہے کہ وہ بھی محل سے یوں ہی بیگانہ و اجنبی ہے۔

ہفدہم ثبوت تو دیجئے کہ قرار سبعہ سب مجتہد مطلق تھے اگر مجتہد فی المذہب بھی ہوئے تو مذہب پوچھنا کیوں حماقت ہونے لگا۔

ہیجدہم اُس زمانہ میں عدم حصر و کثرت مجتہدین مسلم مگر کیا اُس وقت کا ہر فرد بشر یا ہر عالم اگرچہ کسی فن کا ہو فقیہ و مجتہد تھا اس کا تو زعم نہ کرے گا مگر سخت احمق جاہل' یا انتساب کو عام نہ تھا اصلاً نہ تھا اس کا بھی مدعی نہ ہوگا مگر بے خبر غافل۔ کیا امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہما حنفیہ اور امام اشہب و امام قاسم وغیرہما مالکیہ میں معدود نہیں (کتب طبقات ملاحظہ ہوں) اور جب یقیناً قطعاً تقلید بھی تھی اختصاص بھی تھا تو اس وقت کے قاریوں کا مذہب پوچھنا کیوں حمق ہوا۔

نوزدہم درفن تاریخ ہم کمالے دارند (فن تاریخ میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ ت) ائمہ مذہب بعد قراء کے تھے شُبہ جانے دیجئے بدوری میں کلام کیجئے سات میں چار ہمارے امام سے وفاۃً متاخر ہیں، امام ابو عمرو بن العلاء بصری نے ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ، امام حمزہ زیارت نے ۱۵۴ یا ۱۵۶ یا ۱۵۸ھ، امام نافع مدنی نے ۱۶۹ھ، امام علی کسائی نے ۱۸۹ھ، امام الائمہ ابو حنیفہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ اور یہ امام کسائی تو ہمارے امام سے چالیس پچاس برس چھوٹے ہیں، امام کی ولادت ۸۰ یا ۷۰ھ[عہ] میں ہے اور ان کی ۱۱۹ھ میں۔ یہ ہمارے امام کے صاحب صغیر سیدنا امام محمد کے اقران سے ہیں' دونوں صاحبوں نے ایک ہی سال انتقال فرمایا جس پر خلیفہ ہارون رشید نے کہا تھا میں نے رَے میں فقہ و ادب دونوں دفن کردئے۔ اب کون جاہل کہے گا کہ امام اعظم امام محمد کے بعد ہوئے ہیں۔

بستم ائمہ مذہب محتاج الیہ و محصور نہ تھے یہ خاص ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نسبت فرمایا یا مطلق' اول تو بداہۃً عقل سے عاطل' چار کبھی بھی نامحصور نہیں ہوسکتے اور ثانی اس سے بڑھ کر شنیع و باطل، زمانہ صحابہ سے آج تک کوئی وقت ایسا نہ گزرا کہ ائمہ کی طرف احتیاج نہ ہو' ہر زمانے میں مقلدین کا عدد مجتہدین سے بدرجہا زائد رہا ہے

[عہ] بلکہ ایک قول میں ولادتِ امام ۶۱ھ ہے کما فی وفیات الاعیان (جیسا کہ وفیات الاعیان میں ہے۔ ت) یوں تقریباً ۶۰ برس چھوٹے ہوں گے ۱۲ (م)

تو ائمہ سے بے نیازی کیونکر ممکن بلکہ علما کی طرف حاجت تو جنّت میں بھی ہوگی حالانکہ وہاں احکامِ تکلیفی نہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اھل الجنۃ یحتاجون الی العلماء فی الجنۃ وذلك انھم یزورون اللہ تعالٰی فی کل جمعۃ فیقول لھم تمنوا علی ما شئتم فیلتفتون الی العلماء فیقولون ماذا نتمنی فیقولون تمنوا علیہ کذا وکذا فھم یحتاجون الیھم فی الجنۃ کما یحتاجون الیھم فی الدنیا[1]۔ رواہ ابن عساکر عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

بے شک اہلِ جنّت جنّت میں علماء کے محتاج ہوں گے یوں کہ ہر جمعہ کو انھیں اللہ تعالٰی کا دیدار نصیب ہوگا مولٰی سبحانہٗ تعالٰی فرمائے گا جو جی میں آئے مجھ سے مانگو (اب جنت سے مکان میں جاکر کون سی حاجت باقی ہے کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا مانگیں) علما کی طرف منہ کرکے کہیں گے ہم کیا تمنا کریں، وہ فرمائیں گے اپنے رب سے یہ مانگو تو لوگ جنت میں بھی علما کے محتاج ہونگے۔ اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ذکر کیا۔

اللھم انی اسألك بعلماء امۃ حبیبك محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ترحمنا بھم فی الدنیا والاٰخرۃ وترزقنا بجاھھم عندك العلم النافع والقلب الخاشع والعفو والعافیۃ والمغفرۃ وصل وسلم وبارك علی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے حبیب پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علماء کے وسیلے سے دُعا کرتا ہُوں کہ تُو ہم پر ان کے وسیلے سے دنیا و آخرت میں رحم فرما اور ان کو جو عزت وکرامت تیرے ہاں حاصل ہے اس کی برکت سے ہمیں نافع علم، خشوع والا دل، معافی، عافیت اور مغفرت عنایت فرما اور درود و سلام اور برکت ہمارے آقا و مولٰی محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر فرما، آمین والحمد للہ رب العالمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] الجامع الصغیر بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۲۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۵ و ۱۳۶

[2] تہذیب تاریخ ابن عساکر زیرعنوان صفوان ثقفی " احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۴۳۷

مختصر تاریخ ابن عساکر " " " " " دارالفکر بیروت ۱۱/ ۹۹